اس کتاب ... ظ ہیں

آنحضور صلعم کے زمانہ کا بہترین شاہکار

موسومہ بہ

آفتاب عالم

نہایت دلچسپ نتیجہ خیز اور حیرت انگیز تاریخی ناول ہے
جس نے دنیائے اسلام میں ہلچل ڈال دی ہے:-

مصنفہ مولانا محمد صادق حسین صاحب صدیقی

مصنف
ہاشمی دوشیزہ - حمیرا - محمد قاسم - طارق - شہزادی عباسہ - معرکہ روم و یونان وغیرہ وغیرہ

حسب فرمائش

جہانگیر بکڈپو بیرون شیرانوالہ دروازہ جہانگیر منزل لاہور

فروری ۱۹۴۱ء

کامل — تین حصے

ایران کی حسینہ

جسمیں شیران اسلام کے جنگی کارنامے۔ مٹھی بھر مسلمانوں کے لاکھوں ایرانیوں سے سرفروشانہ جنگ کے واقعات۔ آتش پرستوں کی پرجوش لڑائی کے حیرت انگیز حالات معہ حسن و عشق کے دل گداز واقعات و حالات کے نہایت سلیس اردو زبان میں بیان کئے گئے ہیں۔ عاصم اور پروین کے عشق و محبت کا دلچسپ افسانہ۔ ایران سے ایک فریادی نوجوان عاصم نامی کا دربار فاروقی میں آنا۔ اپنی بے بسی بیچارگی کا اظہار کر کے دربار خلافت سے امداد چاہنا خلیفہ اور مسلمانوں کا اثر انداز ہونا۔ اور لشکر اسلام کی ترتیب۔ خلیفہ دوم کا متاثر ہونا اور لشکر کے ہمراہ روانہ ہونا مدینہ میں اداسی چھانا اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضؓ کے حکم سے خلیفہ دوم کا واپس آنا۔ اور حضرت سعد بن وقاص رضؓ کو سپہ سالار مقرر کرنا۔ فرزندان اسلام اور ایرانیوں کی خونریز جنگ۔ مسلمانوں کی نہایت عظیم الشان فتح اور ایرانیوں کی عبرتناک ہزیمت۔ قیمت مکمل کتاب تین حصے ۱۴/۳ روپے

منگوانے کا پتہ: جہانگیر بک ڈپو بیرون شیرانوالہ دروازہ جہانگیر منزل لاہور

"اظہارِ فی الضمیر"

یہ حقیقت عالم آشکارا ہو چکی ہے کہ کسی قوم کو زندہ کرنے یا زندہ رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس قوم کی تاریخ اسکے سامنے پیش کی جائے مشاہیر عہد گذشتہ کے حالات اور واقعات بیان کر کے نوجوانان قوم کے دلوں میں جوش و امنگ کی لہر پیدا کیجائیں اور یہ بتایا جائے کہ کس طرح قومیں بنتی ہیں اور کس طرح معراج ترقی پر پہنچتی ہیں اور کیسے حکمرانی کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور...... کس طرح نکبت و پستی میں غرق ہو کر مٹ جاتی ہیں

یہ امر واقعہ ہے کہ وہ اقوام بھی جنکی کوئی باعظمت تاریخ نہیں ہے جھوٹے قصے اور فرضی افسانے تصنیف و تالیف کر رہی ہیں اور ان جھوٹے افسانوں کو تاریخی جامہ پہنا کر نوجوانان قوم کے سامنے پیش کر رہی ہیں جس سے انکی صداقت کا یقین ہو جائے۔

دروغ کو فروغ دینے کی یہ قابل شرم کوشش اسلئے کیجا رہی ہے کہ قوم کے ہونہار فرزندوں کو مسابقت اقوام کے میدان میں تیز گام بنایا جائے۔ یہ بات بھی حقیقت لازم ہے کہ جو قوم کسی قوم سے رقابت یا عداوت رکھتی ہے وہ اسکی تاریخ کو مسخ کر کے اسکے افراد کو اسکی تاریخ سے غافل اور ناواقف رکھنے کی کوشش میں شب و روز مصروف رہتی ہے۔

شاندار تاریخ اسلام

دنیا جانتی ہے کہ اقوام عالم میں صرف مسلمان ہی وہ قوم ہے جو سب سے زیادہ شاندار تاریخ رکھتی ہے اور سب سے بڑھ کر اپنے بزرگوں کے محیر العقول اور نادر زمانہ کارناموں کی نسبت ایسا یقینی علم حاصل کر سکتی ہے جو ہر قسم کے ریب و شک سے پاک و صاف ہے

اور جس میں کسی قسم کا غلو نہیں ہے لیکن دور زمانہ ... کی ستم ظریفی دیکھئے کہ مسلم نوجوان اپنی شاندار تاریخ سے اسی طرح غافل اور ناواقف ہوتے چلے جا رہے ہیں جس طرح مسلمان قرآن اور تعلیم قرآن سے ناآشنا ہو گئے ہیں۔ وہ بھول گئے ہیں کہ انکے بزرگوں نے کیا کیا کارہائے نمایاں کئے ہیں۔ کس طرح قیصر کسرے کی زبردست سلطنتوں کو پارہ پارہ کر دیا ہے"۔

شاندار اسلامی تاریخی ناول

مسلمانوں کو تاریخ اسلام سے واقف و آشنا کرنے کیلئے میں نے شاندار تاریخی ناولوں کا سلسلہ شروع کیا ہے ان ناولوں کو قوم کے فرزندان نوجوان نے استحسان کی نظروں سے دیکھا ہے۔ اس سلسلہ میں آستانہ کی حور۔ محبوبۂ حلب۔ سعید و فلپانہ۔ فتح یرموک۔ فتح انطاکیہ۔ جنگ صلیب و ہلال۔ کابل کی دوشیزہ۔ معشوقۂ ہند۔ مشرق کی حور۔ عرب کا چاند۔ ایران کی حسینہ۔ آرسلینیہ کا چاند اب تک شائع ہو چکے ہیں۔

کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا

بعض ناعاقبت اندیش یا تاریخی حقائق سے ناآشنا یا متعصب لوگ الزام لگاتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے ممکن ہے کہ ان کا خیال اس وجہ سے ہوا ہو کہ اسلام ربع مسکوں پر چھایا ہوا ہے انکی دماغی بے بضاعتی نے انھیں یہ یقین کرنے پر مجبور کیا ہو کہ بغیر تلوار کے چار دانگ عالم میں اسلام نہیں پھیل سکتا تھا۔ لیکن حقیقت اسکے برعکس ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام اپنے بے نظیر تاثر

عالمگیر اُخوت۔ اور عدیم المثال زرین اصول اور فطرت انسانی کے عین مطابق ہونے کی وجہ سے پھیلا اور پھیل رہا ہے۔ موجودہ ناول کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی ذہن نشین ہو جائیگی۔ کہ تلوار کے زور سے اسلام پھیلنے کا رکیک وسفیہانہ الزام حق و صداقت سے اتنا ہی دُور ہے جتنا کہ زمین سے آسمان"!

"ایک عجیب خواب"

میرا یہ کبھی خیال نہیں ہوا تھا کہ سیرۃ النبیؐ پر کوئی ناول لکھوں اسکی زیادہ تر وجہ اپنی کم بضاعتی اور بے سرمایگی تھی۔ لیکن ایک وجہ اور بھی تھی اور وہ یہ کہ شہنشاہ عرب وعجم فخر بنی آدمؑ حبیب خدا حضرت سیّدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلعم کی سوانح حیات بطرز ناول لکھتے ہوئے بوجہ سوئے ادبی طبیعت ہچکچاتی تھی دل کھٹا تھا۔ لیکن یہ رکاوٹ ایک عجیب طریقہ سے دُور ہو گئی یا دُور کر دی گئی :-

ایک شب کو...... میں سو رہا تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ ور نوجوان صورت پیر مرد آئے انکی داڑھی لمبی اور سفید تھی۔ براق جیسے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ انھوں نے مجھے جگایا میں اُٹھکر حیران وار اسکی صورت تکنے لگا انھوں نے نہایت نرم لہجہ میں دریافت کیا "کیا تم بیدار ہو گئے ہو"!

میں نے کہا۔ ہاں میں جاگ رہا ہوں حالانکہ میں سو رہا تھا اور یہ سب کچھ خواب میں ہو رہا تھا۔ میں نے دریافت کیا حضور کیسے تشریف لائے"؟ پیر مرد نے سنجیدگی اور متانت کے لہجہ میں کہا۔ میں اسلئے آیا ہوں کہ تم نے اسلامی تاریخی ناول لکھکر دنیائے تاریخ میں ہلچل ڈالدی ہے فرزندان توحید کے دلوں میں حریت وجوش کی روح پھونک

دی ہے۔ تمہارے اس فعل نے ان ہستیوں کو جو اہل جہان کی نظروں سے مستور ہو گئے ہیں مسرور کر دیا ہے لیکن ... تم نے حضرت محمدؐ کے زمانہ کا ناول نہیں لکھا۔ حالانکہ ضرورت اسی کی تھی! میں نے عرض کیا کہ سوئے ادبی کی وجہ سے نہ لکھ سکا! پیر مرد نے پوچھا کیسی سوئے ادبی؟ میں نے کہا میرے دل میں حضور کا احترام اسقدر ہے کہ میں آپ کے اسم گرامی کو بار بار لکھنا سوئے ادبی پر محمول کرتا ہوں"! پیر مرد نے فرمایا۔ نام لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ دوسری قومیں لکھتی ہیں خود مسلمان لکھتے ہیں۔ اگر تم احتیاط ہی چاہتے ہو تو "آنحضور صلعم" لکھدیا کرو" میں نے کہا۔ انشاء اللہ اب میں ناول لکھونگا اور اس کا نام "آفتاب عالم" رکھونگا! پیر مرد نے مسکرا کر کہا۔ نہایت مناسب نام ہے۔ یہ کہہ کر وہ چلے گئے اور میں پھر اپنے بستر پر دراز ہو گیا۔

"شہزادی عباسیہ"

ابھی میری آنکھ جھپکنے بھی نہ پائی تھی کہ دروازہ پر پڑے ہوئے پردہ کو حرکت ہوئی اور ایک سیاہ پوش عورت نسائیت کی سبک خرامی سے چل کر میرے قریب کھڑی ہوئی (یہ تمام واقعہ خواب کا ہے) میں نے اس عورت کے لبادہ پر نظر کی تو معلوم ہوا کہ سیاہ رنگ کا بہترین ریشم ہے۔ جس کے حاشیوں پر زردوزی کام ہو رہا تھا سچے موتی اور ہیروں کے ٹکڑے ٹکے ہوئے ہونیکی وجہ سے جھلمل جھلمل کر رہا ہے!

ابھی میں حیرت سے اسے دیکھ ہی رہا تھا کہ عورت نے اپنا نقاب الٹ دیا۔ مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے سیاہ بادلوں کو پھاڑ کر اچانک مہتاب نکل آیا ہے اور اسکی ٹھنڈی اور دلفریب روشنی نے تمام مکان کو بھر دیا ہو۔

عورت نوجوان اور اس قدر خوبصورت تھی کہ میں نے نہ صرف میں نے بلکہ موجودہ دنیا والوں نے ایسی حسین اور ناز آفریں عورت نہ دیکھی ہوگی۔ حسن کی رنگینیوں میں ڈوبی ہوئی شباب کی شادابیوں میں غرق تھی۔ اس نے ترنم ریز لہجہ میں کہا صادق صاحب مجھے جانتے ہیں کہ میں کون ہوں۔ میں نے کہا میں نہیں جانتا۔ نہ میں نے آپ کو دیکھا ہے نہ میری نظروں سے آپ کی تصویر گذری ہے:۔

اس حسینہ نے کہا۔ میں خود بتاتی ہوں کہ میرا نام عبّاسہ ہے میں خلیفہ ہارون رشید کی بہن ہوں۔

مجھے تعجب ہوا کہ شہزادی میرے پاس کس لئے آئی ہے میں نے دریافت کیا۔

آپ میرے پاس کس لئے تشریف لائی ہیں؟

عباسہ نے کہا۔ اسلئے کہ مجھ پر ناواقف لوگوں نے غلط اتہامات اور غیر معتبر الزامات لگا کر میرے دامن عصمت پر بدنما داغ لگا دیا ہے تم ایک ناول لکھکر ان غلط اور بے بنیاد واقعات و بہتان کی تردید کردو:۔

میں نے دریافت کیا۔ مگر...... وہ الزامات کیا ہیں؟

عباسہ نے کہا۔ تم تاریخ سے واقفیت رکھتے ہو۔ کیا یہ سچ ہے......

کہ جعفر سے میری شادی ہوئی؟ میں نے کہا بالکل غلط ہے۔ جھوٹ ہے خدا جانے کہاں سے ابن خلدون نے یہ غلط واقعہ اپنی تاریخ میں لکھ دیا ناواقف لوگوں نے اس افسانوی واقعہ کو حقیقت سمجھ لیا عبّاسہ نے کہا یہی بات ہے میں اسی واقعہ کی تردید چاہتی ہوں۔

میں نے کہا میں اس کی تردید کی کوشش کروں گا۔

حسین عباسہ کی سحر آمیز آنکھوں سے تشکر و امتنان کی دلفریب جھلک

نمودار ہوئی اور وہ چلی گئی ....

"پیر مرد کی دوبارہ آمد"

اب میں پھر بستر پر دراز ہونے کی کوشش کر رہا تھا کہ پیر مرد پھر نمودار ہوئے میں انھیں دیکھ کر بیٹھا رہ گیا۔ انھوں نے میرے قریب آکر کہا:۔

صادق! تم سب سے پہلے آنحضور صلعم کی سوانح حیات لکھنا!

میں نے کہا میں یہ ارادہ کر چکا ہوں کہ سب سے پہلے ناول آفتاب عالم ہی لکھونگا۔

یہ سن کر پیر مرد چلے گئے اور میں نے پہلی فرصت میں موجودہ ناول لکھنا شروع کردیا جو بتائید ایزدی پورا ہو کر شائع ہو رہا ہے۔ یہ سچ ہے کہ میں نے اس ناول کو اسلامی خدمت اور جزو عبادت سمجھ کر لکھا ہے اور اس وجہ سے میں خدا سے اجر و ثواب کی توقع رکھتا ہوں:۔

اب خدا سے دعا ہے کہ ناول شہزادی عباسہ بھی لکھوا دے! انشاءاللہ میں اس ناول کو عنقریب شروع کردونگا:۔

"منشی محمد صادق حسین صدیقی سردھنوی"

۲۴ر جولائی ۱۹۳۴ء

آفتاب عالم

پہلا باب

"عجیب روشنی"

رات گذر چکی تھی۔ ستارے جھلملا کر آسمان میں ڈوب رہے تھے ضیا بار روشنی بڑھنے لگی تھی۔ کائنات انگڑائی لیکر بیدار ہو رہی تھی۔ پرکیف روشنی اور فرحت بخش ہوا کے تاثر سے کائنات کا ذرہ ذرہ۔ پتہ پتہ ترو تازہ خشک ہو کر چمک اٹھا تھا ریگ زار کا شبنم سے بھیگا ہوا سفید ریت نہایت پیارا معلوم ہو رہا تھا۔ تمام حجاز سارا عرب ریگ زار ہے بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسا کہ ریت کا سمندر لہریں لے۔ رہا ہو۔ ریگستان ہونے کی وجہ سے عرب کی آب و ہوا خشک ہے گرم ملک ہونے کی وجہ سے گرمی بھی زیادہ پڑتی ہے باد سموم یعنی زہریلی ہوا۔ ملک عرب ہی میں چلتی ہے جو انسانوں کو چشم زدن میں مسموم کر کے مار ڈالتی ہے۔ سارے ملک میں اس قدر ریت۔ ریت کے اسقدر فلک نما تودے ہیں کہ میلوں سبزہ

کا نشان نظر نہیں آتا۔ ایک بھی دریا نہیں۔ ریت کے تودوں کی بھول بھلیاں مسافروں
کو اپنے دامنوں میں ایسا چھپا لیتی ہیں کہ پھر انکا پتہ ہی نہیں چلتا۔ اگر عرصہ کے بعد پتہ بھی
چلتا ہے تو انکی ان ہڈیوں کا جو ریت کے نیچے دبی ہوئی اسوقت نمودار ہوتی ہیں۔ جب باد
صرصر ریت کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ پھینک دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سیاحان
عالم کو اندرون عرب میں جانے کی جرأت نہیں ہوتی۔ لیکن یہی ریگ زار جو دن میں دوزخ
کا نمونہ ہوتا ہے۔ رات کو اچھا معلوم ہونے لگتا ہے اور صبح کے وقت اسکی دلفریبی اور
بھی بڑھ جاتی ہے۔

ہمارے ناول کا آغاز ۱۱۶؁ء یا سنہ نبوت سے ہے۔ اسوقت تمام حجاز سارے
عرب میں بتوں اور ستاروں کی پوجا کیجاتی تھی۔ تمام عرب۔ عرب کا ہر قبیلہ۔ قبیلہ کا ہر فرد
بتوں اور ستاروں کا پرستار تھا لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ بتوں اور ستاروں کو پوجتے
ہوئے بھی حشر و نشر اور یوم جزا کے قائل تھے۔ مُردوں کو دفن کرتے تھے۔ قبروں پر اونٹوں کو
اسلئے ذبح کہتے تھے کہ انکا عقیدہ تھا کہ مردہ یوم حشر اس اونٹ پر سوار ہو کر چلیگا۔ وہ
توحید کے قائل تھے۔ کائنات کا پیدا کرنیوالا مانتے تھے۔ بتوں کو بارگاہ رب العزۃ میں
شفیع سمجھکر ان کی پرستش کرتے تھے۔ صبح ہو چکی تھی۔ نسیم سحری چل رہی تھی آسمان تبسم ریز ہو کر
ایسا روشن ہو گیا تھا جیسے کوئی حسین مہ پارہ مسکرانے لگے اور مسکرانے سے اُسکے چاند سے
چہرہ پر حُسن کی لہریں دوڑکر اسکے چہرہ کو اسقدر منور کر دیں کہ وہ تنویر حُسن بنجائے۔

اس وقت مکہ کے ایک گوشہ سے نہایت ہلکی سریلی آواز پیدا ہوئی۔ جو بتدریج بڑھنے
لگی اور بڑھتے بڑھتے اس قدر بڑھی کہ شہر مکہ کے گلی گلی۔ کوچہ۔ کوچہ گھر گھر میں اس
کی آواز سنی گئی۔

آج عربوں کا یوم عید تھا وہ بہت سویرے بیدار ہو چکے تھے آواز کوس سنکر مرد اور بچے بیت الحرام کی طرف دوڑنے لگے۔ مکہ کے گلی کوچوں میں ہلچل شروع ہو گئی اور لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ تیزی سے جاتے نظر آنے لگے۔ سریلی آواز ابھی تک بلند ہو رہی تھی نہایت دلکش آواز تھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی سرمایہ باجہ بج رہا ہے۔

لوگ اطراف شہر سے تیزی کے ساتھ بیت الحرام کی طرف دوڑ رہے تھے۔ زرق برق پوشاکیں پہنے ہوئے تھے زرتار پٹکے باندھے ہوئے تھے پورے عربی لباس میں ملبوس تھے بیت الحرام یعنی خانہ کعبہ ناف شہر میں واقع تھا۔ یہی حرم شریف ہے کہ جس کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھی تھی۔ مدتوں تک توحید پرستوں خدا کے پوجنے والوں کا ملجا وماوے رہا تھا اب بت پرستوں کے قبضہ میں تھا۔ عرب نہایت سرعت سے دوڑ دوڑ کر آ رہے تھے۔ خانہ کعبہ کے چاروں طرف کھڑے ہوتے چلے جا رہے تھے۔ خانہ کعبہ کی عمارت پتھر اور چونے سے بنائی گئی تھی۔ نہایت مستحکم اور بڑی شاندار تھی۔ ہر چہار طرف متعدد بڑے بڑے اونچے عالیشان دروازے تھے۔ خانہ کعبہ کے نیچے ایک کنواں تھا۔ کنوئیں کی من پتھر کی اور دہن کسی قدر چھوٹا تھا۔ یہی کنواں دنیا میں زمزم کے نام سے مشہور ہے کنوئیں کے من کے قریب ادھر ادھر بڑے بڑے دو بت تھے ان میں سے ایک بت کسی حسین عورت کا مجسمہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا

لہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے دو بیویاں ایک سارہ اور دوسری ہاجرہ تھیں سارہ کے اولاد نہ تھی ہاجرہ کے ایک فرزند حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے سارہ کو خدشہ ہوا کہ کہیں حضرت ابراہیم ہاجرہ سے انکے بیٹے کی وجہ سے زیادہ محبت نہ کرنے لگیں اسلئے انھوں نے حضرت ابراہیم کو مجبور کیا کہ وہ ہاجرہ اور اسمٰعیل کو عربستان میں چھوڑ آویں چنانچہ حضرت ابراہیم انھیں مکہ کے قریب چھوڑ آئے اسوقت وہاں آبادی نہ تھی حضرت اسمٰعیل کو پیاس معلوم ہوئی وہاں پانی نہ تھا وہ

جیسے کوئی پری پیکر کھڑی مسکرا رہی ہے اُس بت کا نام نائلہ تھا۔ دوسرا بت ایک قوی الجثہ
انسان کی شکل کا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کوئی پہلوان اپنے حریف کو زیر کر کے کھڑا
خوش ہو رہا ہو اس بُت کا نام اساف تھا۔ تمام عرب ان ہر دو بتوں کا احترام کرتے تھے
انکے سامنے آتے ہی سجدہ میں گر پڑتے تھے۔ چنانچہ جو لوگ اس طرف آئے یا آتے سب
وہ ان دونوں کو سجدہ کرتے رہے باجا ابھی تک نہایت سریلے انداز سے بج رہا تھا
ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہ حرم شریف کے اندر بج رہا ہو۔ خانہ کعبہ کے تمام دروازے
ابھی تک بند تھے وجہ یہ تھی کہ ملک عرب میں عموماً اور مکہ میں خصوصاً قریش کا قبیلہ سربرآوردہ
تھا ہر قبیلہ قریش سے دبتا اور انکی فرمانبرداری کو باعث افتخار سمجھتا تھا قبیلہ قریش
کے سردار عبد المطلب تھے ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ عبد المطلب کے دس بیٹے حارث
زبیر۔ حجل۔ ضرار۔ مقسوم۔ حمزہ۔ ابولہب۔ ابوطالب۔ عبداللہ اور عباس تھے
ان میں سے صرف حمزہ۔ ابوطالب۔ ابولہب اور عباس زندہ تھے باقی مر چکے تھے
قبیلۂ قریش نے ابوطالب کو اپنا سردار تسلیم کر لیا تھا۔ عربی قبائل میں یہ دستور تھا
کہ ان کا سردار وہی شخص ہو سکتا تھا جو بہترین شاعر۔ بہترین مدبر۔ بہترین سیاست
داں اور سب سے زیادہ بہادر ہو۔ ابوطالب میں یہ تمام اوصاف موجود تھے۔ تمام قبائل
ان کی بہادری شاعری مدبری اور سیاست دانی کا لوہا مانتے تھے ان کا اس قدر

بقیہ صفحہ ۱۱۔ گذشتہ سے پیوستہ :۔ پیاس سے بلکنے اور ایڑیاں رگڑنے لگے۔ قدرت نے ایڑیوں کے پاس چشمہ جاری
کر دیا حضرت ہاجرہ نے اسے کنوئیں کی شکل میں بنا دیا۔ وہی چاہ زمزم ہے ۱۲ سے ۲۰۰ء میں عمرو بن لحی بن حارثہ
بن امرالقیس حجاز کا بادشاہ تھا۔ اس نے اساف اور نائلہ بنوا کر چاہ زمزم کے قریب نصب کر کے لوگوں
کو ان کی پرستش کی ترغیب دی تھی اس وقت سے یہ بت پوجے جا رہے تھے۔

رعب تھا کہ کسی کو ان کے سامنے بولنے کی جرأت نہ ہوتی تھی ابو طالب بیت الحرام کے کلید بردار تھے۔ جب تک وہ آکر دروازہ نہ کھولتے تھے کوئی شخص بیت الحرام میں داخل نہ ہو سکتا تھا۔ جب عرب کے تمام قبائل آچکے تو ابو طالب معہ اپنے بھائیوں ابولہب۔ حمزہ اور عباس کے آئے۔ چونکہ وہ مکہ کے والی یا بادشاہ تھے اسلئے ان کے ساتھ قبیلۂ قریش کے آدمی زیادہ تھے۔ ابو طالب نے آتے ہی دروازہ کھولا۔ پہلے خود کعبہ میں داخل ہوئے ان کے بعد ان کے بھائی بھائیوں کے بعد قریش کا قبیلہ اندر گیا۔ ابو طالب نے حکم دیا کہ حرم پاک کے تمام دروازے کھول دیئے جائیں۔ یہ حکم ہوتے ہی چاروں طرف سے سب دروازے کھول دئے گئے اور تمام قبائل جوق در جوق خانہ کعبہ میں داخل ہونے لگے۔

بیت الحرام کی عمارت اندر کیجانب سے بھی نہایت شاندار تھی۔ سہ دری نما سینکڑوں کمرے بنے ہوئے تھے تمام عمارت ایک بھورے رنگ کے پتھر کی تھی۔ سہ دریوں کے ستون چھ چھ سات سات گز اونچے اور تناور درختوں کی طرح موٹے تھے:۔

بیت الحرام کے عین بیچ میں بیت اللہ تھا۔ بیت اللہ کے چاروں طرف سیاہ پردے لٹک رہے تھے اور چھت پر ایک بہت بڑا بت رکھا تھا۔ نہایت ڈراونا اور ہیبت ناک تھا۔ سیاہ پتھر کا تھا۔ مکہ کے باہر کئی میل کے فاصلہ سے نظر آتا تھا۔ اس بت کا نام ہبل تھا ہر قبیلہ اسکی پرستش کرنا لازمی اور ضروری سمجھتا تھا +

بیت الحرام میں لوگوں کا اسقدر اژدہام ہوا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ رہی ہر قبیلہ مختلف بتوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ بت بھی سینکڑوں تھے۔ کم از کم تین سو ساٹھ تھے مختلف اطراف

میں مختلف جگہ نصب تھے۔ عجب عجب شکل کے تھے ایک بت سفید پتھر کا نہایت خوبصورت عورت کی شکل کا تھا۔ جسکے بال اس طرح اُسکے دوش پر بکھرے ہوئے تھے۔ جیسے کوئی پری پیکر حسینہ ابھی نہا کر اٹھی ہو اور اُس نے سر کے بال سکھانے کیلئے کمر اور کندھوں پر بکھیر دئے ہوں بس اس بت کا نام سوع تھا قبیلہ ہذیل اسکی پرستش کرتا تھا چنانچہ اس قبیلہ کے لوگ اسکے سامنے آتے ہی سجدہ میں گر پڑے۔

ایک اور بت سرخ پتھر کا تھا۔ اسکی صورت شیر کی تھی ایک اونچے اور بڑے چبوترہ پر اس شان سے کھڑا تھا جیسے کہ وہ شکار پر جست کرنے والا ہے اس بت کا نام یغوث تھا یمن کے تمام قبائل اسکی پرستش کرتے تھے ایک بت بھورے رنگ کے پتھر کا تھا۔ بالکل گھوڑے کی شکل کا تھا اور ایک وسیع سیاہ چبوترے پر کھڑا تھا بڑا ہیبتناک تھا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ پویہ دوڑنے والا ہے اسکا نام یعوق تھا اسکی پرستش قبیلہ ہمدان کرتا تھا اور ایک بت تھا جو سیاہ پتھر تراش کر بنایا گیا تھا اسکی صورت بالکل گدھ کی سی تھی۔ بڑا خوفناک تھا۔ سفید پتھر پر نصب تھا لمبی چونچ کھولے پر کو تولے پرواز کرنے پر آمادہ معلوم ہوتا تھا۔ اِس بت کا نام نسر تھا۔ ذی الکلاع اس بت کی پرستش کرتے تھے۔

انکے علاوہ وُدّ۔ لات۔ منات۔ عزیٰ۔ جہار۔ اوال۔ محرق۔ سعد۔ عمیانس۔ ذوالکفلین۔ جریش۔ شارق۔ عائم۔ مدان۔ عوف۔ مناف وغیرہ بہت سے بت اور عجیب عجیب شکلوں صورتوں کے تھے۔

باجہ ابھی تک بج رہا تھا۔ اب گھنٹے۔ گھڑیال اور جھانجھ بھی بجنے لگے تھے ہر بت پتھر کے چبوترہ پر نصب تھا اور ہر بت کے سامنے اسکا پجاری بیٹھا تھا تمام بتوں کے سامنے

بت پرست سجدہ میں پڑے ہوئے تھے۔ ابوطالب۔ ابولہب حمزہ اور عباس خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر ہبل کے سامنے جا پڑے تھے تمام لوگ خاموشی سے بتوں کو پوج رہے تھے۔ بت پرستی کا ایسا منظر مشکل سے کسی کی نظر سے گذرا ہوگا ابھی یہ لوگ سجدہ ہی میں پڑے ہوئے تھے کہ باد صرصر کے تیز جھونکے چلنے لگے ہوا ریت کے ذرّوں کو اٹھا اٹھا کر لانے لگی۔ اب آفتاب طلوع ہو کر کسی قدر بلند ہوگیا تھا۔ دھوپ ہر چہار طرف پھیل گئی تھی مگر آج دھوپ میں وہ چمک وہ تیزی وہ تپش نہ تھی جو روزانہ ہوتی تھی بلکہ خلاف معمول دھوپ پھیکی ماند اور قدرے سرخی مائل تھی لوگ سجدے سے سر اٹھا اٹھا کر نہایت ادب سے کھڑے ہوئے اور ہاتھ باندھکر نظریں جھکا جھکا کر خاموش کھڑے ہو گئے وہ بتوں کا اسقدر احترام کرتے تھے اسقدر ان سے ڈرتے تھے کہ آنکھ بھر کر انھیں نہ دیکھتے تھے انکی عظمت و جلال سے خائف رہتے تھے۔ بتوں سے ڈرنے کی وجہ سے توہم پرست بھی ہو گئے تھے۔ پجاریوں نے انھیں اور بھی ڈرا ڈرا کر اوہام پرست بنا دیا تھا۔ ابھی یہ لوگ کھڑے ہی ہوئے تھے کہ تیز و تند ہوا کے جھونکے چلنے لگے۔ سب نے گھبرا گھبرا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ آسمان سُرخ ہو رہا تھا ایسا سُرخ جیسے اس میں آگ لگ گئی ہو اور آگ کے شعلوں نے اسے سُرخ بنا دیا ہو لوگ حیرت اور خوف زدہ نظروں سے آسمان کو دیکھنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے آسمان کا سُرخ رنگ سیاہی میں تبدیل ہونے لگا۔ بالکل اس طرح جس طرح آگ کے بعد دھوئیں کے غٹ کے غٹ ماحول کو تیرہ و تار کر دیا کرتے ہیں۔ اس منظر کو دیکھکر عربوں کے حواس جاتے رہے وہ ایک دفعہ اور اپنے معبودوں کے سامنے سجدہ میں گر گئے۔ تمام بت پرست سارے پجاری نہایت خائف اور ترساں تھے سب کے سب گھبرا رہے تھے پجاریوں نے قدرے بلند آواز سے کہا گریہ و زاری کرو۔ بتوں کے پجاریو خوب رو و بتوں سے اس بلا کو

دور کرنیکے لئے دعا مانگو! ایک عام گریہ وزاری کی آواز بلند ہوئی۔ لوگ چیخنے اور چلانے لگے رو رو کر بتوں سے اس بلا سے محفوظ رہنے کی التجائیں کرنے لگے۔ ہوا اسقدر تیز ہوگئی تھی کہ سہ دریوں کے کوہ پیکر ستونوں کو ہلائے ڈالتی تھی۔ جو لوگ کھڑے ہوئے تھے انھیں جھٹکا دیکر گرا دیتی تھی۔ آفتاب گویا چھپ گیا تھا۔ دن رات سے تبدیل ہو چکا تھا کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ ہوا کے تیز جھونکے ریت کے انبار لا لا کر الٹ رہے تھے ابوطالب اور ان کے بھائی جو خانہ کعبہ کی چھت پر تھے۔ چبوترہ کے نیچے پڑے ہوئے تھے۔ ابولہب کسی نہ کسی طرح ان سے الگ ہو گیا۔ ہوا نے اسے اٹھایا اور چھت سے نیچے گرا دیا۔ اس نے خوفناک چیخ ماری مگر اس کی آواز چیخوں کی آواز میں مدغم ہو کر رہ گئی۔ اس وقت جبکہ مکہ قہر الٰہی کا نزول ہو رہا تھا۔ ملاء اعلیٰ نے خدا کے حکم سے ہوا کے تمام دروازے کھول دئے تھے اور ہوا اپنی پوری طاقت سے مکہ والوں پر حملہ آور ہو رہی تھی۔ تاریکی بحر ظلمات سے زیادہ بڑھ گئی تھی بچے اور بوڑھے سب کے سب چیخ چلا رہے تھے۔ رو رو کر اپنے معبودوں سے التجائیں کر رہے تھے مگر انکے معبود پتھر کے تھے وہ کچھ سکتے ہی نہ تھے انکے پرستاروں پر قہر الٰہی کا نزول ہو رہا تھا اور وہ خاموش کھڑے دیکھ رہے تھے۔ لوگوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ قیامت آج ہی واقع ہو گی۔ کائنات کا ذرہ ذرہ آج ہی مٹ جائیگا۔ اربعہ عناصر ٹکرا ٹکرا کر چور ہو جائینگے اور آسمان پھٹ کر ان کے اوپر گر پڑیگا۔ اس خیال سے ان کے دل دہل گئے۔ قلب کانپ گئے وہ بھی چیخ چیخ کر رونے لگے خدا کو انکی زاری پر رحم آیا ہوائے تند کے جھونکے کم ہونے لگے اندھیرا چھٹنے چھٹتے اجالا ہو گیا تھوڑی ہی دیر میں ہوا تھم گئی گرد و غبار چھٹ گیا آفتاب چمکنے لگا۔ عربوں کی جان میں جان آئی وہ اٹھکر کھڑے ہوئے ہر شخص بت

میں نہایا ہوا تھا۔ گرد و غبار میں اٹ رہا تھا۔ ابھی یہ لوگ کھڑے ہی ہوئے تھے کہ انھوں نے مغرب کی طرف ایک عجیب قسم کی روشنی اور چمک دیکھی۔ عوام الناس میں اس روشنی کو دیکھکر حیرانگی چھاگئی۔ اس سے پہلے انھوں نے نہ ایسی روشنی دیکھی تھی اور نہ ایسی چمک۔

ابھی وہ حیران ہی ہو رہے تھے کہ ایک بڈھے آدمی نے بلند آواز سے کہا شریف عربو! تم نے اس روشنی اور چمک کو دیکھا۔ آو میں تم کو بتاؤں کہ کیا بات ہے سب لوگ اسکی طرف دوڑے۔ بڈھا ایک اونچے چبوترہ پر چڑھکر کہنے لگا۔ سب خاموش ہو جاؤ ایسے خاموش کہ میری کمزور آواز تم میں سے ہر شخص سن سکے۔

سب لوگ نہایت خاموشی سے کھڑے ہو کر اس بڈھے کو دیکھنے لگے۔ اِس عرصہ میں ابو طالب اور ان کے بھائی بھی خانہ کعبہ کی چھت سے نیچے اتر کر بڈھے کے قریب آکھڑے ہوئے اس وقت بیت الحرام میں سکوت مرگ طاری تھا۔ ہر شخص چپ چاپ کھڑا بڈھے کو دیکھ رہا تھا۔ ابو لہب جو خانہ کعبہ کی چھت سے نیچے لڑھک گیا تھا اُٹھا۔ اسکے پاؤں پر ضرب آگئی تھی۔ وہ بھی لنگڑاتا ہوا چلکر ابو طالب کے پاس آکھڑا ہوا اور بڈھے کو غور بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔

دوسرا باب

کاہن ابرش

بڈھا عجیب شکل و صورت کا انسان تھا۔ اس کا چہرہ لمبوترا۔ گال پچکے ہوئے رخساروں کی ہڈیاں اُبھری ہوئیں۔ پیشانی تنگ آنکھیں چھوٹی۔ گول حلقوں کے

اندر دھنسی ہوئی تھیں۔ سر کے بال سفید اور لمبے تھے جو عورتوں کی لٹوں کی طرح کھجور کے ریشوں سے بندھے دونوں طرف سینے پر پڑے تھے۔ داڑھی ناف تک لمبی تھی۔ مونچھیں داڑھی سے مل گئی تھیں لیکن اسقدر بڑھی ہوئی تھیں کہ منہ کو ڈھک کر داڑھی سے جا ملی تھیں بڈھا اس ہیبت کذائی میں اچھا خاصہ بن مانس معلوم ہوتا تھا اسکے بائیں ہاتھ میں انسان کی کھوپڑی اور دا ہنے ہاتھ میں کسی انسان کے ہاتھ کی ہڈی تھی گلے میں ہڈیوں کی مالا تھی۔ پوشاک بھی عجیب تھی ایک لمبا جبہ تھا جسکا نیچے کا حصہ اونٹ کی کھال اور کمر سے اوپر کا حصہ اونٹ کی اون کا تھا۔ سر سے کمل لپیٹے ہوئے تھا اسکی چھوٹی چھوٹی آنکھیں حلقوں کے اندر دھنسی ہوئی چنگاریوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

اس بڈھے کا نام ابرش تھا۔ یہ کاہن[۱] بھی تھا اور اعراف[۲] بھی اُسے غیب دانی کا دعویٰ تھا۔ تمام عرب میں اسکی شہرت تھی۔ اہل عرب اُسے مافوق الفطرت انسان سمجھتے تھے۔ اُسکے عظمت و جلال سے ڈرتے تھے۔ اسکی کہانت اور غیب دانی پر یقین و اعتماد رکھتے تھے۔ کسی عرب کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ اسکی بات نہ سُنے یا اس کی بات پر یقین نہ کرے۔ ابرش نے شعلہ بار نظروں سے چاروں طرف دیکھا ہر طرف لوگوں کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے۔ سب خاموش کھڑے اُسے دیکھ رہے تھے۔

ابرش نے کسی قدر بلند آواز سے کہا۔ اے لات وہبل کے پوجنے والو! شاید تم کو یاد ہوگا کہ آج سے پورے چالیس سال قبل اسی طرح کی روشنی اور اسی طرح کی چمک ایک

---

[۱] کاہن اس کو کہتے ہیں جو گذشتہ حالات بیان کرے۔

[۲] اعراف آئندہ واقعات بیان کرنے والے کو کہتے ہیں۔

مرتبہ پہلے بھی دیکھی جا چکی ہے جس طرح آج ہم تم سب حیران ہیں اس طرح اس روز بھی حیران ہوئے تھے۔ مجھ سے اس روز پوچھا گیا تھا کہ یہ چمک اور روشنی کیسی ہے۔ میں اس روز خاموش ہو گیا تھا۔ اسلیئے کہ میرے علم نے جو بات اس روز مجھے بتائی تھی وہ میں بیان نہ کرنا چاہتا تھا۔ اور آج میں بغیر دریافت کیے خود بیان کرتا ہوں۔

لوگ زیادہ توجہ سے اسکی باتیں سُننے اور اُسے غور سے دیکھنے لگے۔ ابرش نے کہا دیکھو! میرے ہاتھ میں یہ انسان کی کھوپری ہے اور یہ ہاتھ کی ہڈی ہے۔ میں نے انہیں اس میدان میں پایا تھا جہاں بنو بکر اور بنو تغلب[1] جیسے زبردست قبائل کی لڑائی پورے چالیس سال تک جاری رہی تھی۔ ممکن ہے دنیا اس لڑائی کو جہالت کا کرشمہ بتائے لیکن عرب جانتے ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ لڑائی جہالت کی لڑائی نہ تھی، بلکہ خوداری اور عزت و ناموس کے تحفظ کے لئے لڑی گئی تھی۔ کیا کوئی ایسا خوددار عرب ہے جو اپنی اہانت برداشت کرے میں تو یہ کہتا ہوں کہ جس شخص میں خوداری نہیں اور جسکے پاس امانت نہیں وہ انسان ہی نہیں ہے عربوں کی خود داری مشہور ہے اور ہمیشہ مشہور رہے گی اگرچہ ہمارے قبائل میں اتفاق نہیں ہے ہمارا شیرازہ منتشر ہے طوائف الملوکی ہے۔ ہر قریہ۔ ہر قصبہ۔ ہر شہر کا حکمران الگ

[1] یہ مشہور لڑائی سنہ ۴۹۴ء سے شروع ہو کر سنہ ۵۳۴ء تک جاری رہی۔ بنائے فساد یہ تھی کہ ایک عرب کا اونٹ ایک کھیت میں چلا گیا۔ اس کھیت کی مالک ایک عورت تھی۔ اس نے اونٹ کو مارا۔ اونٹ والے نے طیش میں آکر عورت کی چھاتی کاٹ ڈالی۔ اس بنا پر بنو بکر اور بنو تغلب قبائل میں جنگ چھڑ گئی۔ اول اول تو دو ہی قبائل لڑتے رہے۔ مگر رفتہ رفتہ تمام قبیلے اس میں شریک ہو گئے۔ اس جنگ میں ستر ہزار آدمی مارے گئے تھے اور یہ جنگ چالیس سال برابر جاری رہی تھی +

ہے مگر ہماری شیرازہ بندی بھی مناسب نہیں ہے جب ہم متفق و متحد ہو جائینگے ہمیں ایک دوسرے سے دبنا پڑیگا۔ اس سے ہماری خودداری کو دھکا لگیگا اور یہ بات ہماری قومی روایات کے منافی ہے"! ابرش تقریر کر رہا تھا۔ لوگ سن رہے تھے۔ ہمیں اسکی تقریر کی وضاحت کیلئے اس زمانہ میں جو حجاز و عرب کی کیفیت تھی اُسے بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ قارئین کرام عرب اور عربوں کی حالت کا اندازہ لگالیں۔ عرب! جیسا کہ ابرش نے بیان کیا نہایت مغرور متکبر اور سرکش لوگ تھے ہمیشہ آزاد رہتے تھے اور آزاد ہی رہنا چاہتے تھے۔ تمام قبائل متفرق تھے۔ ہر قبیلہ کا سردار والی یا بادشاہ جدا تھا۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کی اطاعت کسی حالت میں بھی کرنے کو تیار نہ تھا۔ غرور جہالت کا یہ عالم تھا کہ ذرا ذرا سی بات میں قبائل ٹکرا جاتے تھے جھنوں اور برسوں لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا سینکڑوں ایسی لڑائیاں ہوئیں۔ جو بلا وجہ مول لی گئیں چونکہ ہر قبیلہ خود کو دوسروں سے برتر افضل بہتر اور ذی عزت سمجھتا تھا اسلیئے بات بات پر جنگ چھڑ جاتی تھی اور ایسی چھڑتی تھی کہ جب تک ہزاروں آدمی نہ مارے جاتے بند نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ گھوڑ دوڑ ہو رہی تھی کئی قبائل کے سوار گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ ایک گھوڑا "داحس" نامی بھی دوڑ میں شریک تھا وہ اور گھوڑوں سے کسی قدر آگے بڑھا ہوا آرہا تھا۔ ایک شخص نے اسکے منہ پر چابک ماردیا وہ جھجک کر پیچھے رہ گیا۔ بس غضب ہوگیا۔ اسی وقت تلواریں میانوں سے کھنچ گئیں گھوڑ دوڑ بند ہو کر لڑائی شروع ہوگئی۔ پھر یہ نہیں کہ اسی وقت لڑائی کا خاتمہ ہوگیا ہو یا ایک دو روز کے بعد ٹھنڈک پڑ گئی ہو نہیں ۵۶۴ء سے یہ جنگ ۶۳۱ء تک جاری رہی پورے انہتر سال تک خونریز معرکے ہوتے رہے۔ اگر یہ کہا جائے

کہ عرب قوم جنگجو تھی تو بیجا نہ ہوگا۔ ذرا ذرا سی اور معمولی معمولی باتوں پر جنگ چھڑ جاتی تو کئی کئی پشتوں تک جاری رہتی اور اس وقت تک جاری رہتی جبتک کہ خاطر خواہ انتقام نہ لے لیا جاتا۔ اکثر و بیشتر باپ اور دادا کا انتقام بیٹے اور پوتوں سے لیا جاتا تھا۔ جو انتقام نہ لے سکتا تھا وہ نہایت حقیر سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر شخص بہادر ہوتا تھا یا اسے مجبوراً بہادر بننا پڑتا تھا۔ شمشیر زنی۔ نیزہ بازی۔ تیر اندازی شہسواری میں ہر شخص کو کمال حاصل کرنا پڑتا تھا۔ جو ان باتوں میں کمال حاصل کر لیتا تھا۔ اسکی تمام عرب میں شہرت ہو جاتی تھی۔ سال میں چند مہینے ایسے بھی مقرر کر لئے گئے تھے جن میں جنگ بند کر دی جاتی۔ ان ایام میں میلے منعقد ہوتے تھے بازار لگتے تھے۔ نمائشیں ہوتی تھیں۔ دور دور سے لوگ تیر اندازی۔ شہسواری نیزہ بازی اور شمشیر زنی کے کرتب دکھانے آتے تھے۔ چونکہ ہر قبیلہ آزاد رہنا چاہتا تھا اسلئے اکثر قبائل خانہ بدوشی کے عالم میں ڈیرے۔ خیمے لادے پھرتے رہتے تھے۔ خیمے اونی کمبلوں یا اونٹ کی کھالوں کے ہوتے تھے جہاں چاہتے خیمے نصب کر لیتے اور جب تک چاہتے رہتے۔ مگر خیمے نہایت خوبصورت ہوتے تھے۔

اس دوامی سفر نے انھیں ہمیشہ جفاکش اور مستعد رکھا۔ چونکہ ضروریات زندگی کی کمی تھی۔ اسلئے ان کا تمدن ترقی نہ کر سکا۔ سچ پوچھئے تو تمدن اسوقت ترقی کر سکتا ہے جبکہ انھیں لڑائی جھگڑوں سے فرصت ملتی۔ خانہ جنگی بھی تمدن اور معاشرت کی ترقی میں حائل رہی۔ چونکہ ضروریات زندگی محدود تھیں مشاغل کی کمی تھی۔ اس لئے اوقاتِ جنگ سے بچے ہوئے لمحات فرصت طویل تھے بیکاری نے انھیں شاعری کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔

عربوں کو اپنی زبان دانی ۔ فصیح البیانی اور قادر الکلامی پر بڑا غرہ تھا۔ عبادت مقفی اور مسجع بولتے تھے۔ شہری عرب ہوں یا بادیہ نشین ۔ بدوش[1] یا خانہ بدوش سب قادر الکلام شاعر اور فصیح البیان مقرر تھے۔ ایک چرواہا اونٹوں کو چراتے ہوئے شعر کہہ لیتا تھا اور بہترین شعر کہتا تھا۔ ہر میلے اور نمائش کے موقعہ پر مشاعرہ بھی لازمی ہوتا تھا جس کا قصیدہ سب سے بہتر ہوتا اُسے چمڑا پر لکھکر بیت الحرام کے دروازے پر لٹکا دیا جاتا تھا سال بھر تک لوگ اُسے دیکھ دیکھ کر اسکی تعریف کرتے رہتے تھے۔

دوسرے سال پھر جسکا قصیدہ سب سے اچھا ہوتا لٹکا دیا جاتا اب قارئین کرام کو معلوم ہوگا کہ زمانہ جاہلیت[2] میں عرب صرف جنگجو ہی نہ تھے بلکہ عربی زبان کے ماہر معجز بیان مقرر اور قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ تمام حجاز سارا عرب ان خصوصیتوں میں غرق تھا۔ مگر ایک وصف تمام اوصاف سے بڑھ چڑھ کر تھا اور وہ مہمان نوازی تھی۔ جب کسی قبیلہ میں کوئی مہمان آجاتا چاہے وہ دشمن کے قبیلہ سے ہی کیوں نہ ہو بڑے تپاک سے اس کا خیر مقدم کرتے اور نہایت خوشی سے مہمانداری کے فرائض بجالاتے ۔ اس کا خیال بھی نہ کرتے کہ وہ دوست ہے یا دشمن ۔ یہ خوبی ان میں تمام اوصاف سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔

ایرش نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ اے عرب کے مایہ ناز فرزند! اس کھوپڑی کی طرف دیکھو ۔ اس کھوپڑی نے مجھے آئندہ کے واقعات بتادئے ہیں دنیا کو کروٹ لینے والی ایک انقلاب عظیم رونما ہونیوالا ہے ہمارے حقیقی معبود کی اہانت کرنے کے لئے آ گیا ! ہمارے معبودوں کی اہانت ہونیوالی ہے ۔ غیورعربو ! کیا تم

[1] بدو گنوار کو کہتے ہیں [2] مبعوث نبوی سے قبل کا زمانہ۔ ایام جاہلیت کہلاتا ہے!

خداؤں کی تذلیل گوارا کر دگے ہر طرف آوازیں آئیں کبھی نہیں ہرگز نہیں۔ زندگی کے آخری دم تک نہیں۔

ابولہب کے پیر میں ضرب آگئی تھی۔ اُسے تکلیف تھی وہ اچھی طرح کھڑا نہ ہو سکتا تھا حمزہ کے کندھے پہ ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ اس نے چلا کر کہا کہ ہم اپنے معبودوں کی تذلیل کرنے والے کا سر توڑ دینگے مر جائینگے مگر اپنے خداؤں کی تذلیل گوارا نہ کریں گے۔

ابرہہ نے کہا یہی ہونا چاہیئے۔ جن معبودوں کو ہم ہمارے باپ دادا پوجتے رہے ہیں کیا ہم ایسے ہی بےحس ایسے ذلیل۔ ایسے کمینے ہو جائیں گے کہ انکی تذلیل گوارا کر سکینگے لات و عزیٰ کی قسم ہرگز نہیں معبودان حقیقی کے پجاریو۔ سنو آج سے ۴۰ برس پہلے رات کو ایسی ہی چمک اور روشنی دیکھی گئی تھی جیسی آج دیکھی ہے۔ وہ رات نہایت ہولناک تھی اس رات کو ہمارا بڑا معبود ہبل[1] منہ کے بل گر پڑا تھا۔ جب ہم سب نے اٹھا کر اُسے قائم کیا تو وہ کھڑا نہ رہ سکا اور پھر گر پڑا ہم نے پھر اسے اٹھا کر کھڑا کیا۔ لیکن وہ پھر بھی کھڑا نہ ہوا اور تیسری مرتبہ بھی گر پڑا۔ یہ واقعہ آپ سب اصحاب کو اچھی طرح یاد ہوگا۔ ابولہب نے کہا یاد ہے اچھی طرح یاد ہے تمام حجاز اور سارے عرب پر اس روز ہیبت چھا گئی تھی۔ اس رات کو آسمان پر بڑی کثرت سے غیر معمولی طور پر ستارے ٹوٹتے ہوئے دیکھے گئے تھے آسمان میں عجیب قسم کی روشنی اور چمک بھی دیکھی گئی تھی

---

[1] ہبل عربوں کا بڑا معبود تھا۔ یہ بت ۲۲ اپریل ۵۷۱ء کو دوشنبہ کے روز تین مرتبہ گر پڑا تھا۔ وہ روز سعید فخر زماں باعث تخلیق کون و مکان حضرت محمد صلعم کی پیدائش کا دن تھا۔ اس رات کو شہاب ثاقب آسمان پر نمودار ہوئے تھے۔ عجیب روشنی اور عجیب چمک پیدا ہوئی تھی۔ دنیا حیران رہ گئی۔ ابرہہ نے اس واقعہ کا تذکرہ کیا تھا۔ (از تاریخ جہاں)۔

اس رات کو صبح صادق کے وقت ہمارا سب سے بڑا خدا خود بخود مُنہ کے بل گر گیا تھا۔ جب ہم نے اُسے اٹھا کر کھڑا کیا تو وہ کانپ کر پھر گر پڑا ایک دو دفعہ نہیں پورے تین مرتبہ گرا تھا ابرش نے کہا۔ میرا مقصد اسی واقعہ کو یاد دلانا تھا۔ سنو اس رات کو صبح صادق کے وقت وہ ہستی عالم وجود میں آئی۔ جو ہمارے معبودوں کی تذلیل واہانت کی علمبردار ہوگی۔ صرف ایک انسان نہایت مستقل مزاج اور حلیم انسان اس روز پیدا ہوا۔ آج اسکی عمر پورے چالیس سال ہوگئی ہے اس کھوپڑی نے مجھے یہ بتایا ہے کہ اب تک وہ انسان گمنام تھا اب ظاہر ہوگا۔ بتوں کے خلاف تقریریں کریگا۔ بت پرستی سے منع کریگا۔ خدا پرستی کی تعلیم دیگا۔ آور دو خوب دل کھول کر ردو۔ ہمارے یہ معبود بھی ہم سے برگشتہ ہو جائینگے۔ دنیا ان دیکھے خدا کے سامنے جھک جائے گی تمام عرب اس وبا سے متاثر ہوگا کیسا ناقص زمانہ ہوگا وہ ....

ابرش کی آنکھیں پرنم ہوگئیں۔ مجمع میں سے اکثر لوگ رونے لگے ابولہب نے کہا۔ مقدس ہبل کی قسم میں ہر اس شخص کو قتل کر ڈالوں گا جو ان دیکھے خدا کو سجدہ کریگا ابرش نے کہا۔ کاش تم ایسا کر سکتے مگر یہ کھوپڑی کہتی ہے کہ ایسا نہ کر سکوگے دیکھو گے اپنی آنکھوں سے اپنے معبودوں کی تذلیل دیکھوگے۔" حمزہ نے دریافت کیا۔ کیا کوئی تدبیر اس بلا سے بچنے کی بھی ہے یا نہیں؟ ابرش نے جواب دیا ہے پہلی تو یہ کہ آپس کی دیرینہ مخاصمتیں چھوڑ دو۔ تمام قبیلے متفق و متحد ہو جاؤ۔ شیر وشکر کیطرح مل جاؤ اور عہد کرو کہ خدا کے ماننے والے کی خواہ وہ کوئی شخص ہو کسی قبیلہ کا ہو اسکی ایذا رسانی میں کوتاہی نہ کروگے اور کوشش کرکے اسے قتل کر ڈالوگے اس زمانہ میں عرب میں چند قبائل بہت زیادہ معزز متقی سمجھے جاتے تھے۔ جیسے

یاد۔ ربیعہ۔ مضر قبیلہ مضر کو قریش بھی کہتے تھے۔ قریش کے بھی کئی قبیلے تھے ان قبائل میں بنی سہم۔ بنی مخزام۔ بنی زہرہ۔ بنی عدی۔ بنی ہاشم زیادہ مشہور تھے۔ یہ تمام وہ قبائل تھے۔ جن کی تمام عرب میں دھاک تھی خصوصیت کے ساتھ قبیلہ بنی ہاشم سب سے زیادہ ذی عزت سمجھا جاتا تھا۔ چونکہ خانہ کعبہ کا صحن تمام قبائل کرتے تھے ہر قبیلہ کا معبود بیت الحرام تھا۔ کعبہ مکہ میں تھا مکہ میں بنی ہاشم کی حکومت تھی اسلئے بھی یہ قبیلہ اور قبیلوں سے ممتاز مانا جاتا تھا ابرش کو یہ خیال ہوا تھا کہ انکے معبودوں کی تذلیل کرنے والا اگر بنی ہاشم میں سے ہوا تو بنی ہاشم کے دبدبہ اور اعزاز کی وجہ سے کوئی اسکی طرف دیکھ نہ سکیگا۔ اسلئے اس نے یہ چال چلی کہ بیت الحرام میں سب سے اقرار لینا چاہا۔ عربوں کی ایک یہ بھی خصوصیت تھی کہ جو عہد و اقرار وہ کرلیتے تھے اس سے پیچھے نہ ہٹتے تھے۔ خواہ اسمیں کتنا ہی مالی اور جانی نقصان کیوں نہ ہو:۔

تمام عربوں نے جھک جھک کر اپنے معبودوں کا نام لے لیکر عہد و اقرار کیا کہ وہ اپنے معبودوں کو برا کہنے والے کو قتل کئے بغیر نہ چھوڑیں گے خواہ وہ کسی قبیلہ سے ہو سب کے بعد ابولہب نے کہا۔ معزز کاہن تم شائد قبیلہ بنی ہاشم کیطرف اشارہ کر رہے ہو۔ میں عہد کرتا ہوں اگر ایسا شخص ہمارے قبیلہ میں ہوگا۔ تو سب سے پہلے میری تلوار اسکے سر پر بلند ہوگی۔ میرا خیال نہیں بلکہ مجھے کھوپری بتا رہی ہے کہ معبودوں کو باطل قرار دینے والا بنی ہاشم ہی میں سے ہوگا۔ دیکھو سب دیکھو اس کا نام بھی اس کھوپری میں لکھا ہوا ہے۔ ابرش نے کھوپری مجمع کی طرف کی تھوڑے تھوڑے وقفہ سے چاروں طرف گھمائی۔ سب نے دیکھا کہ کھوپری پر جلی قلم سے نام نامی اور اسم گرامی "محمد" لکھا ہوا تھا۔ سب اس منزہ نام کو اس معزز متبرک اسم کو دیکھکر حیران رہ گئے۔

حضرت محمد عبداللہ کے فرزند ارجمند عبدالمطلب کے پوتے۔ ابولہب کے حمزہ عباس اور ابوطالب کے بھتیجے تھے۔ آنحضور صلعم ۲۲ اپریل سنہ ۵۷۱ء مطابق ۹۔ ربیع الاول سنہ عام الفیل[1] روز دوشنبہ بعد از صبح صادق از طلوع آفتاب تولد ہوئے تھے۔ آپکا سن مبارک ۴۰ برس کا تھا۔ لوگ جانتے تھے اور اچھی طرح جانتے تھے کہ آپ خاموش۔ متین۔ متحمل۔ مستقل مزاج راست گو۔ امین و دیانتدار تھے۔ بہت کم گفتگو کرتے تھے۔ اکثر خانہ نشین رہتے تھے۔ کبھی کبھی پہاڑوں پر چلے جاتے کئی کئی روز وہاں رہتے۔ لیکن ابھی تک ان کی طرف سے کوئی ایسی بات نہ ہوئی تھی۔ جس سے یہ گمان کیا جا سکتا۔ کہ وہ بتوں کے خلاف آواز اٹھانے والے ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا انتقال آپ کی پیدائش سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ جب آپ کا سن مبارک چھ سال کو پہنچا تو آپکی والدہ آمنہ نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس طرح صغیر سنی

[1] حبش میں ایک عیسائی بادشاہ تھا۔ اس نے یمن پر قبضہ کر لیا تھا۔ ابرہہ الاشرم کو یمن کا گورنر بنا دیا تھا۔ ابرہہ نے یمن میں ایک عالیشان مندر بنا کر عربوں کو ترغیب دی کہ وہ خانہ کعبہ کا حج چھوڑ کر اس مندر کا حج کیا کریں۔ عرب حضرت اسمٰعیل کے زمانہ سے خانہ کعبہ کا حج کرتے چلے آ رہے تھے انھوں نے یمن میں جا کر مندر کا حج کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر ابرہہ کو بہت غصہ آیا۔ اس نے لشکر جرار اور ہاتھیوں کی کثیر التعداد لیکر خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لئے مکہ پر چڑھائی کی۔ قریش مکہ اس لشکر کے آنے کی خبر سنکر خوف زدہ ہو گئے۔ نہ ان میں مقابلہ کی قوت تھی نہ مقابلہ کیا۔ لیکن جب ابرہہ نے اپنے لشکر کے ساتھ مکہ پر حملہ آور ہوا تو خدا نے ابابیل چڑیوں کو بھیجا۔ چڑیوں نے چونچوں میں سنگریزے اٹھا اٹھا کر ابرہہ کے لشکر پر پھینکے نتیجہ یہ ہوا کہ ابرہہ شکست کھا کر بھاگ گیا۔ عرب میں یہ واقعہ مشہور ہو گیا تھا۔ اس لئے عام فیل کے نام سے ایک سن شروع ہو گیا تھا۔ (از تاریخ اسلام)

ہی میں والد کی آغوش محبت اور والدہ کی آغوش شفقت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔

والدین کی وفات کے بعد آپ اپنے دادا عبدالمطلب کے پاس رہے لیکن خدائے قدوس کو یہ دکھانا مقصود تھا کہ لاوارث۔ یتیم و یسیر نونہال صرف آغوش رحمت میں پرورش پاکر بام عروج پر آفتاب بنکر چمکے۔ اسلئے جب آپکی عمر آٹھ برس، دو مہینے دس دن کی ہوئی تو آپکے دادا عبدالمطلب بھی رحلت فرما گئے :۔

اب آپکے چچا ابو طالب آپکے ولی ہوئے آپ ان کے پاس رہ کر ۱۴ سال کی عمر کو پہنچے۔ یوں تو تمام حجاز اور سارا عرب آپکی خوش اخلاقی۔ خوش معاملگی و دیانت و امانت کا قائل تھا۔ لیکن سب سے زیادہ ابو طالب آپ کو مانتے تھے۔

ابو طالب نے کہا۔ ابرش کیا تم میرے پیارے بھتیجے پر الزام لگاکر کوئی فتنہ کھڑا کرنا چاہتے ہو۔ کبھی ایسا نہ کرو۔ میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔

ابرش نے کہا حضور میں مقدس ہبل کی قسم کھا کر کہتا ہوں، کہ میں اپنی طرف سے نہ کچھ کہہ رہا ہوں نہ کر رہا ہوں۔ میرا علم اس کھوپری کے ذریعہ سے جو مجھے بتا رہا ہے میں وہی کہہ رہا ہوں۔

ابو طالب نے جوش میں آکر کہا۔ تم جھوٹے ہو۔ تم کو ہمارے خاندان سے کوئی بغض و کینہ ہے۔ اس دشمنی کو غیب دانی کے پردہ میں نکال رہے ہو۔

ابرش نے عاجزانہ انداز سے کہا۔ اے خداوند مکہ میری یہ مجال نہیں ہے اگر میں حضور کے خاندان پر کوئی اتہام لگاؤں۔ میں حضور کے خاندان کا پروردہ ہوں نمک خوار ہوں۔ میرے دل و دماغ میں دشمنی کا خیال بھی نہیں آ سکتا۔ ایک عرب بھی نمک حرام اور غدار نہیں بن سکتا۔ ذرا تحمل کیجئے اور دیکھئے کھوپری کیا کہتی ہے۔

ابوطالب خاموش ہو گئے۔ ابرش نے کھوپڑی کو چرخ دیا۔ اسقدر گھمایا کہ وہ گول دائرہ اور گول دائرہ سے صرف ایک نقطہ بنکر رہ گئی۔ ابرش نے کہا دیکھئے کھوپڑی ایک نقطہ بنکر رہ گئی ہے مگر دیکھئے اور غور سے دیکھئے یہ نقطہ خداؤں کی تذلیل کرنے والے کا نام بنکر چمکیگا۔ سب نے نقطہ کو غور سے دیکھا۔ نقطہ پھیلنے لگا۔ پھیلتے پھیلتے نام بنا اور نہایت آب وتاب سے چمکنے لگا۔ سب نے دیکھا۔ غور سے دیکھا۔ حیرت سے دیکھا۔ صاف اور موٹے حروف میں "محمدؐ" لکھا ہوا تھا۔

ابرش نے کہا۔ دیکھ لو غور سے دیکھ لو اپنے معبودوں کی تذلیل کرنیوالے کا نام دیکھ لو۔ کوئی جادو نہ تھا۔ کوئی نظر بندی نہ تھی۔ حضرت محمدؐ کا نام صاف اور واضح طور پر چمک رہا تھا۔ ابوطالب کو بھی کچھ کہنے کی گنجائش نہ رہی۔

ابرش نے کہا تم نے دیکھ لیا۔ اب سنو اگر تم اپنے معبودوں کو خوش کر لو تو جو فتنہ پیدا ہونے والا ہے وہ دب جائے۔

ابولہب نے دریافت کیا۔ معبودوں کو خوش کرنے کا طریقہ کونسا ہے

ابرش نے کہا۔ یہ کھوپڑی جواب دے گی۔

کھوپڑی ابھی تک گردش کر رہی تھی۔ اب نام غائب ہو گیا تھا اور صرف نقطہ ہی باقی رہ گیا تھا۔ لوگ اس نقطہ کو غور بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے نقطہ پھر پھیلنا شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک لفظ بن گیا۔ سب نے پڑھا چمکدار الفاظ میں تحریر تھا "قربانی"۔

ابرش نے کہا۔ قربانی دے کر اپنے معبودوں کو راضی کر لو۔ اس وقت تمام عربوں کے چہروں سے خوف وہراس ظاہر ہو رہا تھا۔ سب خوفزدہ نظروں سے

ابرشں کو دیکھنے لگے۔

ابرشں نے کہا تمہارے معبود قربانی چاہتے ہیں قربانی دیکر آنیوالے فتنہ سے مخلصی حاصل کرو۔ عمر ابرشں کے سامنے کھڑے تھے۔ انھوں نے کہا کس چیز کی قربانی دیں ہم ابرشں۔ ابرشں نے کہا۔ اس کا جواب بھی کھوپری ہی دے گی۔ لوگوں کی نگاہیں پھر کھوپری کی طرف اٹھ گئیں۔ انھوں نے دیکھا کہ قربانی کا لفظ سمٹ کر پھر نقطہ بن گیا۔ کھوپری برابر گردش کر رہی تھی اور وہ حرف نقطہ معلوم ہو رہی تھی۔ نقطہ پھر بڑھنے لگا اور بڑھ کر دور تک پھیل گیا۔ لوگوں کی خوفزدہ نگاہیں یہ سب کچھ دیکھ رہی تھیں دفعتاً موٹے الفاظ کی عبارت نظر آئی لکھا تھا کہ ایک دس سالہ خوبرو لڑکی۔

سب یہ دیکھکر کمال متعجب ہوئے۔ ابرشں نے کہا آپ نے دیکھ لیا۔ اب کھوپری اپنی گردش ختم کرتی ہے۔ ابرشں کے یہ کہتے ہی لفظ سمٹ کر غائب ہو گئے اور کھوپری ابرشں کے ہاتھ پر آ پڑی۔ ابرشں نے کھوپری کو بوسہ دیا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ میرے علم نے مجھے یہ بتایا ہے کہ وہ شخص اپنی لڑکی کو قربان کرے جو پہلے اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر چکا ہو۔

عربوں میں دختر کشی کی مذموم اور وحشیانہ رسم جاری تھی۔ سنگدل اور بیدرد باپ اپنی گوشہ جگر معصوم بچیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے اور اس پر بڑا فخر کرتے تھے اکثر لڑکیاں تو پیدا ہوتے ہی قتل کر ڈالی جاتیں یا زندہ دفن کر دیجاتیں مگر بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ جب لڑکی بڑی ہو جاتی۔ میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگتی تو بیدرد باپ پہلے گڈھا کھود آتا اور پھر لڑکی کو اچھے کپڑے اور زیور پہنا کر بستی سے باہر لے جاتا۔ اسکو گڑھے کے کنارہ پر کھڑا کر کے دھکا دیدیتا۔ لڑکی چیخی چلاتی۔ منت و

خوشامد کرتی مگر ظالم باپ اسکی آہ وزاری پر ذرا توجہ نہ کرتا۔ بلکہ اوپر سے ڈھیلے مار مار کر مٹی ڈالدیتا اور اسطرح اپنے لخت جگر کو زندہ درگور کرکے واپس لوٹ جاتا اور اس سنگدلانہ رسم پر بڑا فخر کرتا۔

ابرہٰہ کی بات سن کر ایک ادھیڑ عمر کا شخص بولا۔ آج میں فخریہ طور پر کہتا ہوں کہ میں اپنی نو لڑکیوں کو زندہ درگور کر چکا ہوں۔ خوش قسمتی سے میرے دسویں لڑکی موجود ہے۔ اس کی عمر پرسوں پورے دس برس کی ہو جائیگی۔ میں نے منت مان رکھی تھی کہ جب اسکی عمر دس سال کی ہو جائیگی تب اُسے دفن کروں گا۔

.... ابرہٰہ! کیا وہ لڑکی قربانی کے لئے مناسب ہے۔

ابرہٰہ نے اس اعرابی کو دیکھکر کہا۔ قیس! تم واقعی خوش قسمت ہو کیس قدر قابل فخر بات ہے کہ تم اپنی دس سالہ لڑکی کو زندہ دفن کر کے اپنے معبودوں کو خوش کر لوگے اور تمہاری اس بخت رسائی پر ایک دنیا رشک کرے گی۔

قیس بن عاصم قبیلہ بنی تمیم سے تھا وہ ایسا سنگدل تھا کہ اس نے اپنی نو لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا تھا اور کبھی اسکی پیشانی پر بل تک نہ آتا تھا اُس نے کہا میں نہایت خوشی سے اعلان کرتا ہوں کہ پرسوں میں اپنی دس سالہ لڑکی زندہ دفن کرونگا۔

ابرہٰہ نے کہا۔ تمام اعرابی اس عظیم الشان قربانی کا نظارہ دیکھنے کیلئے پرسوں بستی سے باہر جمع ہوں اس قربانی کے بعد کوئی اندیشہ باقی نہ رہیگا۔

یہ سنکر لوگوں کو تسلی ہوئی۔ سب کے سب اپنے معبودوں کے سامنے ایک مرتبہ پھر سجدہ میں گرے اور سجدہ کرکے اُٹھے اور بیت الحرام سے نکل نکل کر اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہوگئے۔ ابولہب بھی لنگڑاتا ہوا چلا قیس بن عاصم بھی واپس

تھوڑی دیر میں بیت الحرام لوگوں سے خالی ہو گیا۔

تیسرا باب
سنگدل باپ

جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اس زمانہ میں عرب کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ بت پرستی سے خالی نہ تھا۔ خانہ بدوش یا صحرا نشین عرب جہاں ڈیرے خیمے اور ضروریات کی چیزیں لادتے پھرتے تھے وہاں بتوں کو بھی اٹھائے پھرتے تھے۔ ہر قریہ ہر قصبہ ہر شہر میں بت خانے تھے۔ بتوں کی پرستش نہایت شدّ و مدّ سے ہوتی تھی۔ تمام عربستان پر کفر و شرک کی سیاہ گھٹا چھائی ہوئی تھی انسان تو انسان ریگ زار کا ذرّہ ذرّہ مشرک و ملحد تھا۔ صحرا نشین عربوں نے اونٹ کی کھالوں کے بت خانے بنا رکھے تھے جہاں جاتے ان بتخانوں کو ساتھ لے جاتے بتوں کو بڑی حفاظت اور احترام سے رکھتے معینہ اوقات پر خلوص دل سے ان کی عبادت کرتے۔ عربوں میں قربانی کا رواج بھی تھا۔ زیادہ تر اونٹوں کی قربانی کیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی بھیڑوں اور مختلف چوپایوں کی بھی کر ڈالتے تھے بعض قبائل انسانوں کی قربانی بھی کرتے اور قربانی کا گوشت خود کھا لیتے تھے اور خون بتوں پر چھڑک دیتے تھے۔ چونکہ بت پرستی کا لازمی نتیجہ ضعیف الاعتقادی اور توہم پرستی ہے۔ اسلئے وہ جنوں۔ کلبوتوں۔ دیووں اور پریوں کے قائل تھے

لہ تاریخ اسلام

جنوں کو غیر مرئی مخلوق سمجھتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ جو شخص قتل ہو جاتا ہے اور اسکا انتقام نہیں لیا جاتا وہ بھوت بن جاتا ہے اور اس وقت تک لوگوں کو ستاتا رہتا ہے جب تک کہ اس کا انتقام نہیں لے لیا جاتا۔ اس عقیدہ کی وجہ سے ان میں انتقام کا جذبہ بڑھا ہوا تھا۔

شرابخواری۔ قمار بازی۔ زناکاری۔ چوری۔ ڈکیتی۔ رہزنی عام تھی۔ دختر کشی کو باعث عزت اور قابل فخر سمجھتے تھے۔ غرضیکہ عربوں میں دنیا بھر کے عیوب موجود تھے۔ نہایت ذلت و پستی کی حالت میں تھے۔

جبکہ عربستان کا یہ حال تھا تو اس عہد میں ممالک عالم کی حالت بھی اچھی نہ تھی۔ تمام دنیا پر کفر و شرک کی گھنگھور گھٹائیں چھائے ہوئے تھیں ایران کا قدیم مہ آبادی مذہب ہٹ چکا تھا۔ آتش پرستی کا زور ہو گیا تھا۔ دو خداؤں کو مانتے تھے ایک یزدان خالق خیر کو دوسرا اہرمن خالق شر کو۔ زناکاری کو برا نہ سمجھتے تھے شراب عام طور پر پیتے تھے۔ جوا کھیلتے تھے۔ ہر چھوٹا آدمی ہر بڑے آدمی کو سجدہ کرتا تھا۔ چوری اور رہزنی کا ملک میں زور تھا۔

روم و یونان میں عیسائی مذہب رائج تھا۔ لیکن گرجوں میں حضرت عیسیٰ اور حضرت مریمؑ کی تصاویر رکھی ہوئی تھیں اور ان تصویروں کے سامنے سر جھکائے جاتے تھے۔ شراب خوری زور شور سے رائج تھی ضعیف الاعتقادی زوروں پر تھی۔ خانقاہوں میں راہب اور ننیں رہتی تھیں ان خدا پرست مردوں اور عورتوں کی یکجائی حیا سوز اور قابل شرم حرکات کی مرتکب ہوتی تھی۔ چوری زناکاری اور دھوکا بازی عام تھی +

مصر میں اگرچہ عیسائیت پھیل گئی تھی تاہم زیادہ تر مصری بت پرست ہی تھے۔ ان میں وہ تمام عیوب موجود تھے۔ جو ایک ذلیل بت پرست قوم میں ہو سکتے ہیں زناکاری اور غارت گری عام تھی جس سال دریا کے طغیانی نہ آتی۔ اس سال ایک چودہ سالہ حسین دوشیزہ کو اچھے کپڑے اور بیش قیمت زیورات پہنا کر دریا میں غرق[1] کر دیا جاتا۔ ان کا اعتقاد تھا کہ دریائے نیل اپنی بھینٹ کے لئے رک جاتا تھا اور جب ایک خوبصورت لڑکی بھینٹ دے دی جاتی ہے تو اس میں طغیانی آجاتی ہے۔

ہندوستان سے بدھ مذہب خارج ہو رہا تھا اور برہمنی مذہب بتدریج زور پکڑتا جاتا تھا تمام ملک میں بت پرستی کا زور تھا۔ ایک چینی[2] سیاح لکھتا ہے کہ ہندوستان کا ایک گھر بھی بتوں سے خالی نہ تھا۔ صرف بتوں ہی کی پوجا نہ ہوتی تھی۔ بلکہ سیاروں۔ پہاڑوں۔ دریاؤں اور درختوں، حیوانوں سانپوں۔ پتھروں اور شرمگاہوں تک پرستش کیجاتی تھی۔ بام[3] مارگیوں کے پلید اور حیاسوز مسلک نے ملک کے ہر حصہ میں قبولیت اور ہر دلعزیزی حاصل کر لی تھی۔ زناکاری کے اصول و قواعد مقرر کر کے اسے داخل مذہب کر دیا تھا حقیقی بہنوں سے شادی کرنے میں کوئی باک نہ سمجھتے تھے چنانچہ سندھ کے راجہ داہر[4] نے اپنی حقیقی ہمشیرہ مائی سے اپنی شادی کی تھی۔ اس زمانہ کی

[1] از الفاروق ۱۲ [2] از تاریخ اسلام ۱۲۔ [3] بام مارگی ایسا ناپاک فرقہ تھا۔ جس کی حیاسوز باتیں بیان کرتے بھی شرم آتی ہے۔ دنیا بھر کی ذلیل اور بیہودہ باتیں ان میں رائج تھیں۔ بول و براز اور منی کے قطرے وہ بے تکلف کھاتے پیتے تھے۔ [4] تاریخ ہند ۱۲

صادق حسین صدیقی سردھنوی

بعض تصانیف جو آج پورانوں اور مذہبی کتابوں کی صورت میں دستیاب ہوتی ہیں ہندوستانیوں کے اخلاق کو نہایت پست اور ان کی معاشرت کو بحید قابل شرم ظاہر کرتی ہیں۔

چینیوں کی حالت بھی ناشستہ بہ گفتی کنفیوشش۔ تاؤ اور بدھ تین مذاہب کے کیمیاوی امتزاج نے چین کی تہذیب اور اخلاقی حالت میں وہ کیفیت پیدا کر رکھی تھی۔ جو سوڈا اور ٹارٹ ایسڈ کے ملانے سے پیدا ہوتی ہیں۔

غرضیکہ دنیا کا کوئی خطہ بت پرستی سے خالی نہ تھا۔ ہر خطہ میں کسی نہ کسی طریقہ سے بت پرستی ضرور رائج تھی۔ دنیا جہان میں کفر و شرک کی گھٹائیں چھا رہی تھیں۔ مخلوق اپنے خالق کو چھوڑ کے بت پرستی میں غرق تھی۔

قیس بن عاصم بڑا خوش تھا۔ خوشی کی وجہ یہ تھی کہ بیت الحرام کے عظیم الشان مجمع میں ایک شخص بھی ایسا نہ نکلا۔ جس نے اپنی نو لڑکیوں کو زندہ دفن کیا ہو۔ اس سے سمجھ لیا کہ اب وہ تمام قبائل کی نظروں میں معزز و متفخر ہو گیا ہے ہر شخص اُسے عزت کی نظروں سے دیکھنے پر مجبور ہے۔ ہم چشموں میں اسکی عزت دو بالا ہو گئی ہے وہ فخر و عزیز اور مسرت و ابتہاج کے دریا میں غوطے کھاتا مکان پر پہنچا۔ اسکے مکان پر پہنچتے ہی ایک دس سالہ خوبصورت لڑکی آغوش کشادہ اپنا سے ملنے کے لئے دوڑی۔ اس نے اپنے چھوٹے چھوٹے نازک ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔ اچھے ابا! تم آگئے۔ میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔

قیس نے فطری محبت سے مغلوب ہو کر لڑکی کو اٹھایا۔ بے اختیار گلے سے لگایا پیشانی پر بوسہ دیا۔ لڑکی نے پیار سے اسکے گلے میں باہیں ڈالدیں۔ لڑکی

نہایت خوبصورت تھی۔ اس کا چہرہ گول آنکھیں چینی کی طرح بڑی بڑی اور سرمہ آلود تھیں۔ پیشانی کشادہ اور پرنور تھی۔ عارض بھرے بھرے سیب کی طرح سرخ وسفید اور چمکیلے تھے۔ تھوڑی اسقدر مختصر تھی گویا نہ تھی۔ اس کے سر کے بالوں کی سیاہ لٹیں گندھی ہوئی دونوں طرف سینہ پر پڑی تھیں۔ لب نہایت دلفریب اور دانت موتیوں کی لڑی کی مانند سفید تھے۔ قیس نے الفت پدری سے مغلوب ہو کر اُسے اٹھا کر سینہ سے لگا لیا۔ مگر فوراً ہی وہ چونکا سنبھلا اور اُس نے جلدی سے لڑکی کو گود سے اُتار دیا انھیں پھینکدیا۔ اسطرح پھینک دیا جیسے انسان کسی چیز کے دھوکہ میں سانپ کو اٹھا لے اور اسے پہچان کر فوراً پھینک دے۔ معصوم حسین لڑکی گرتے گرتے سنبھلی۔ اس نے اپنے باپ کو دیکھا۔ بھولی اور غم آلودہ نظروں سے دیکھا اور پیارے لہجہ میں کہا۔ پیارے باپ کیا تم مجھ سے خفا ہو گئے۔ خفا نہ ہو سوائے آپ کے اور امی جان کے دنیا میں میرا کون ہے۔

قیس کی آنکھوں سے رحم ومروت کے جذبات مفقود ہو گئے تھے وحشیانہ چمک پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے کڑک کر کہا۔ جمیلہ!.... کیا تو بھولی بھالی باتوں سے میرے دل کو موم بنانا چاہتی ہے؟ نہیں میں موم نہیں بن سکتا۔ چلی جا میرے سامنے سے دور ہو جا۔

معصوم لڑکی باپ کے کڑے تیور خشمناک نظریں۔ پُرغضب چہرہ دیکھکر سہم گئی۔ اکثر بچوں کا قاعدہ ہوتا ہے کہ جب انھیں گھورا۔ دھمکایا جاتا ہے تو وہ لاڈ اور محبت سے ماں باپ سے لپٹ جاتے ہیں۔ جمیلہ بھولی جمیلہ بھی باپ سے لپٹ گئی۔ اُس نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔ اچھے ابا تم کیوں مجھ سے خفا ہو گئے مجھ سے کیا قصور

ہو گیا۔

قیس نے اسکا ہاتھ پکڑ کر جھٹک دیا اور اُسے تیز و غصہ آلود نظروں سے گھورنے لگا۔ جمیلہ نے آج تک اسکی ایسی نظریں نہ دیکھی تھیں۔ وہ لرز گئی کانپ کر الگ کھڑی ہو گئی خوف نے اسکی معصومیت میں اور اضافہ کر دیا۔ قیس بڑھا جمیلہ اسکے پیچھے چلی قیس نے اُسے اپنے پیچھے آتے دیکھ لیا اس نے ڈپٹ کر کہا میرے پیچھے آ جمیلہ! جمیلہ وہیں کھڑے ہو کر منہ بسورنے لگی۔ قیس چل کر برآمدہ میں پہنچا۔ یہاں اسکی بیوی سلمٰی کھڑی تھی۔ سلمٰی بھی ادھیڑ عمر کی تھی لیکن صحت اچھی تھی۔ وہ اپنی عمر سے بہت چھوٹی معلوم ہوتی تھی۔ اس نے خندہ پیشانی سے اپنے شوہر کا استقبال کیا اور کہا۔ آج کیا بات ہے۔ میرے سرتاج تیور پر بل کیوں پڑے ہوئے ہیں؟

قیس نے اپنی طبیعت کو بشاش کرتے ہوئے کہا۔ کوئی خاص بات نہیں سلمٰی تمہاری جمیلہ آتے ہی لپٹ گئی۔ کیا یہ اچھی عادت ہے اسکی؟ سلمٰی نے اپنے شوہر کو خوش کرنے کے لئے کہا۔ نہیں! میری قسمت کے درخشاں ستارے..... مگر جمیلہ کو تم سے کچھ ایسی محبت ہے کہ جب تک تم باہر رہتے ہو تم کو ہی یاد کرتی رہتی ہے جب تم کو دیکھتی ہے تو دوڑ کر لپٹنے کی کوشش کرتی ہے۔ معصوم بچی تم کو سے بہت زیادہ محبت ہے۔

قیس۔ سلمٰی جمیلہ اپنی بھولی باتوں اور بے پایاں محبت سے میرے دل کو تسخیر کرنا چاہتی ہے کیا یہ ٹھیک ہے؟

سلمٰی نے کچھ شبہ و وہم آمیز نظروں سے قیس کو دیکھکر کہا۔ تم جمیلہ کے

باپ ہو وہ سوائے تمہارے اور کس سے محبت کرسکتی ہے؟

قیس نے قدرے درشت لہجہ میں کہا مگر اس محبت سے فائدہ؟

سلمیٰ۔ بھولی لڑکی فائدہ اور نقصان کو کیا جانے۔

قیس۔ آج جو ہوا کا طوفان آیا۔ طوفان کے بعد جو روشنی اور چمک ہوئی تم نے دیکھی۔

سلمیٰ۔ ہاں! دیکھی بڑا سخت طوفان تھا میں تو سمجھی تھی کہ مکانات کی چھتیں اڑ جائینگی۔ دیواریں گر پڑینگی۔ لیکن ہمارے معبودوں نے ہم پر مہربانی کی۔ طوفان نکل گیا۔ مگر روشنی اور چمک.... میں نے اپنی ہوش میں نہ ایسی روشنی دیکھی اور نہ ایسی چمک۔

قیس۔ بیشک نہ دیکھی ہوگی۔ کچھ خبر ہے کہ ہم پر کیا بلا نازل ہونے والی ہے۔

سلمیٰ نے گھبرا کر قیس کو دیکھتے ہوئے کہا۔ نہیں! کیا دنیا میں کوئی انقلاب ہونیوالا ہے؟ قیس نے غور سے سلمیٰ کو دیکھکر کہا تم نے ٹھیک سمجھا سلمیٰ کوئی شخص ہمارے معبودوں کے خلاف اٹھنے والا ہے۔ سلمیٰ نے حیرت بھری نظروں سے قیس کو دیکھکر کہا۔ ہمارے معبودوں کے خلاف... کیا اسکا کوئی اور معبود ہے؟

قیس۔ ضرور ہوگا۔

سلمیٰ۔ عجیب بات ہے یہ تو۔

قیس۔ نہایت عجیب! ابرش کاہن بھی ہے اور عراف بھی اس نے بتایا ہے۔ کہ حضرت محمدؐ نامی کوئی شخص ہمارے معبودوں کے خلاف آواز اٹھانے والا ہے:۔

سلمیٰ۔ میں حضرت محمدؐ کو جانتی ہوں اور میں ہی کیا کون انھیں نہیں جانتا وہ والی مکہ کے بھتیجے ہیں۔ بڑے نیک۔ بڑے رحمدل۔ بڑے امین۔ بڑے خلیق۔ بڑے شرمیلے ہیں

وہ ایسا نہ کرینگے۔ انکے آباؤ اجداد بھی تو ہمارے معبودوں کی پرستش کرتے چلے آئے ہیں

قیس۔ یہ سچ ہے مگر آجتک کسی نے انھیں بتوں کو سجدہ کرتے بھی نہیں دیکھا۔

سلمیٰ۔ بیشک یہ درست ہے میں نے بھی ایسا ہی سُنا ہے جب وہ چھوٹے تھے تب بھی بتوں کے سامنے نہ جھکتے تھے لیکن اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ وہ ہمارے معبودوں کے خلاف آواز اٹھانے والے ہیں۔

قیس۔ ابرش کہتا ہے اور وہ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اسکی محکوم روحوں نے بتایا ہے۔

سلمیٰ۔ مگر وہ آبادی میں رہتے بھی نہیں سُنتی ہوں کہ غار حرا[1] میں خلوت گزیں ہیں

قیس۔ ہاں وہ چار چار پانچ پانچ روز نظر نہیں آتے اسی غار میں مقیم رہتے ہیں محض جَو کا ستو کھاتے ہیں جوانی میں ترک لذات کیلئے ہوں انکی طرف سے اندیشہ ضرور ہے۔ خیر تو ہے ہی مگر... سلمیٰ آج مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ بیت الحرام میں ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں میرا سر اونچا رہا۔

سلمیٰ نے مسرت بھری نظروں سے قیس کو دیکھکر دریافت کیا۔ کیا بات ہوئی۔ میرے سرتاج! قیس نے کہا۔ ابرش نے آنیوالے فتنہ کو دور کرنیکے لئے ایک تدبیر بتائی ہے اس نے کہا کہ جو شخص اپنی نو لڑکیوں کو زندہ دفن کرچکا ہو اور اسکے دسویں لڑکی اور ہو اگر وہ اس لڑکی کو زندہ دفن کردے تو آنیوالے فتنہ سے نجات مل سکتی ہے۔ اسوقت سلمیٰ اس تمام مجمع میں ایک شخص بھی ایسا نہ نکلا جسنے اپنی نو لڑکیوں کو

---

[1] غار حرا جبل ثور پر ایک غار تھا یہ پہاڑ اور پہاڑ پر غار مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر منیٰ کو جاتے ہوئے بائیں سمت واقع ہے اس غار کا طول چار گز اور عرض پونے دو گز تھا۔

صادق۔ صدیقی۔ سردھنوی

زندہ دفن کیا ہو۔ سب سر جھکائے خاموش اور شرمندہ تھے تب میں نے کہا کہ میں ایسا ہوں تمام مجمع نے حیرت اور عزت کی نظروں سے مجھے دیکھا۔ کیا یہ اہل فخر بات نہیں ہے سلمیٰ۔

سلمیٰ کا چہرہ فق پڑ گیا تھا۔ اُسے بدنصیب جمیلہ سے بیحد محبت تھی۔ قیس کی گفتگو سے وہ سمجھ گئی تھی۔ کہ جس جمیلہ کو اُس نے سینہ سے لگایا۔ ہزاروں مصائب اُٹھا کر بڑے ناز و نعم وغیرہ سے پرورش کیا ہے اب اسکی قربانی کا وقت آگیا ہے اس خیال سے اس کا دل ہل گیا۔ کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ الفت مادری جوش سینہ سے اٹھکر آنکھوں کی طرف چلا۔ دو آنسو دونوں آنکھوں سے نکلے۔ مگر کان پر آکر رک گئے قیس کے خوف سے رخساروں پر نہ گر سکے۔

قیس نے پھر کہا۔ بولو سلمیٰ کیا یہ بات میرے تمہارے اور ہم دونوں کے عام خاندان کیلئے باعث افتخار نہیں ہے؟ سلمیٰ نے ایسی آواز سے جو غم آلود تھی حسرت بھرے تاسف آمیز لہجہ میں کہا۔ قابل فخر تو ضرور ہے مگر......

قیس نے مضروب سانپ کی طرح پلٹ کر کے دیکھا۔ اس غریب کی آنکھوں میں آنسو۔ چہرے پر حسرت۔ حسرت میں غم کی جھلک دیکھکر اس نے پر غضب ہوکر کہا۔ یہ کیا بات ہے سلمیٰ! کیا جمیلہ کی محبت نے تم کو خراب کر لیا ہے۔ بڑے شرم کی بات ہے۔ یہ تمہاری آنکھوں میں خوشی کے آنسو ہیں یا اندوہ محبت سے چھلک آنے والے قابل نفرین دو قطرے ہیں۔

سلمیٰ قیس کی پر غضب صورت دیکھکر سہم گئی۔ اُس نے آنسو پی لئے اور حسرت بھری نظروں سے قیس کو دیکھا۔ قیس اسکی نظروں کو دیکھکر نہایت برہم ہوا۔

اُس نے کڑک کر کہا۔ ہوش میں آؤ سلمیٰ! تمہارا حسرت بھرا چہرہ۔ غم آلود نگاہیں پرنم آنکھیں میں دیکھنا نہیں چاہتا۔ اگر غلطی سے تم نے جمیلہ کی محبّت کو اپنے دل میں جگہ دے کر اس قدر بڑھا لیا ہے کہ اسکی قربانی کی خبر نے اس محبّت کو ٹھیس لگائی ہے تو تم اس کی محبّت کو اپنے دل سے نکال دو۔

سلمیٰ اب تک تو ضبط کرتی رہی۔ لیکن اب دامن صبر و قرار چھوٹ گیا وہ اپنے شوہر کی طرف ایک قدم بڑھی بڑھکر اسکے سامنے دو زانو کھڑی ہوئی۔ التجا آمیز نظروں سے اسے دیکھکر بولی میرے سرتاج! اس صبر آزما امتحان سے مجھے معاف رکھو مجھ بدنصیب کے دل میں جمیلہ کی پیاری صورت نے۔ بھولی بھالی باتوں نے جگہ کرلی ہے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری زندگی اسکی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے اسلیئے اے میرے پیارے شوہر جمیلہ کو میرے اور صرف میرے لئے باقی رکھو۔ ۔ ۔ ۔ ۔

قیس کی آنکھوں سے شرارے نکلنے لگے۔ اس نے غضبناک لہجہ میں کہا کم عقل عورت لڑکی کی محبّت میں سرشار رہنے والی احمق! کیا تو یہ چاہتی ہے کہ جمیلہ کو زندہ رکھکر اسکی شادی کردوں۔ کسی کو اپنا داماد بنا ڈوں۔ میرا سر جو ابتک دامادی کی لعنت اور ذلّت سے مبرّا رہ کر اونچا رہا ہے۔ اب ذلت و ندامت سے جھک جائے قسم ہے لات عزّیٰ کی یہ کبھی نہ ہوگا۔

سلمیٰ نے عاجزی کے لہجہ میں کہا۔ آپ جمیلہ کی شادی نہ کریں وہ تمام عمر کنواری بسر کریگی۔ قیس جوش غضب سے کانپنے لگا۔ اس نے کہا ذلیل ہستی یہ تو اور بھی ذلت کی بات ہوگی۔ دنیا کہے گی کہ قیس کی بیٹی کو کسی نے نہ قبولا۔ میں اس ذہین آمیز تمسخر کو کبھی برداشت نہیں کرسکتا۔

سلمیٰ نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔ مقدس معبودوں کیلئے جمیلہ پر۔ بھولی جمیلہ پر معصوم جمیلہ پر۔ کمسن اور کم سخن جمیلہ پر رحم کرو اُسے بچالو۔ آہ کسی طرح بچالو۔

قیس نے کڑک کر کہا کبھی نہیں سلمیٰ۔ ہرگز نہیں۔ یہ دنائیت چھوڑ دو اٹھو دیکھو جمیلہ سامنے کھڑی سب کچھ دیکھ رہی ہے۔ پرسوں وہ زندہ دفن کیجائیگی آج ہی سے اُسے آراستہ کرنا شروع کردو۔

یہ کہتے ہی قیس وہاں سے چلا گیا۔ سلمیٰ اٹھکر کھڑی ہوئی اسوقت اسکا چہرہ زرد ہورہا تھا۔ آنکھیں غم وحسرت میں غرق تھیں۔ وہ حسرت کا مجسمہ، پیکر غم اور تصویر درد بنی ہوئی تھی۔ غم کی وجہ معقول تھی۔ اسکے دس بچے ہوئے تھے۔ بدقسمتی سے دسوں لڑکیاں ہوئیں۔ نو لڑکیاں انتہائی سنگدلی۔ کمال بیدردی سے زندہ زرگور کی جاچکی تھیں۔ ایک لڑکی رہ گئی تھی۔ اس نے اس پر صبر کیا تھا مگر اب وہ بھی اسکی آغوش شفقت سے نکال کر موت کی گود میں دی جانے والی تھی اس دلشکن اور جانگسل خبر کو سنکر وہ جس قدر بھی غمگین ہوتی حق بجانب تھا۔

جب قیس چلا گیا۔ تو جمیلہ سلمیٰ کے پاس آئی اس نے آتے ہی کہا امی جان تم خاموش کیوں ہو! ابا کے سامنے ہاتھ کیوں جوڑ رہی تھیں۔ آج میرے ابا کو کیا ہوگیا ہے وہ مجھسے بھی خفا ہیں اور امی جان تم سے بھی۔ محبت کی ماری ماں نے جھک کر جمیلہ کو اپنی چھاتی سے لگا کر بھینچا خوب پیار کیا۔ پیار کرتے وقت وہ روتی رہی جمیلہ نے حیران ہوکر پوچھا۔ امی جان! تم کیوں رو رہی ہو۔ آج تم کو کیا ہوگیا ہے؟

غمزدہ سلمیٰ نے بھرائی ہوئی آواز سے کہا۔ میری بیٹی! میرے دل کے ٹکڑے۔ کاش تم عرب میں پیدا نہ ہوئی ہوتیں۔ اسی عرب میں جو وحشیانہ بربریت کا مرکز

ہے۔ جہاں لڑکیاں زندہ دفن ہونگے لئے پیدا ہوتی ہیں آہ! میرے چاند! تو فنا کے ابر میں چھپنے والی ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

یہ کہتے کہتے سلمٰی بےچین ہوگئی بے اختیار اسکے آنسو جاری ہوگئے اسے اس طرح روتے ہوئے دیکھکر جمیلہ تڑپ گئی۔ اس نے کہا آہ! امی جان نہ رو۔ دیکھو پھر میں بھی رونے لگونگی۔ جمیلہ نا سمجھ تھی۔ اگرچہ سلمٰی نے اسکے سامنے سب کچھ کہہ دیا۔ مگر وہ کچھ نہ سمجھی تھی۔ بچپنے کی شان میں اس نے وہی بات کہی جو اکثر بچے کہا کرتے ہیں۔ سلمٰی جمیلہ کی بات سن کر چونک پڑی اس نے سوچا کہ اسکے رونے سے واقعی جمیلہ بھی رونے لگے گی۔ اسے اس سے اسقدر محبت تھی کہ وہ اُسے روتا ہوا دیکھنا بھی گوارا نہ کرسکتی تھی۔ اس نے جلدی سے آنسو پونچھے اور آہ سرد بھر کر کہا میری قرۃ العین اب میں نہ روؤنگی تو اپنا دل آزردہ نہ کر۔ اگرچہ سلمٰی نے رونا بند کر دیا تھا مگر اس کا دل اب بھی رو رہا تھا اس نے ایک دفعہ اور معصوم جمیلہ کو اپنے سینے سے لگا کر بھینچا۔ خوب پیار کیا۔ اسکی منور پیشانی پر بوسہ باری کا تار بندھ گیا۔

کچھ دیر کے بعد سلمٰی گھر کے کام کاج میں لگ گئی اور جمیلہ کھیلنے لگی قیس باہر چلا گیا۔ آج سلمٰی کا دل کسی کام میں نہ لگتا تھا جب وہ جمیلہ کو دیکھتی یا جب اسے یہ خیال آتا کہ جمیلہ صرف دو ہی دن کی مہمان ہے تو کلیجہ میں ہوک اٹھتی۔ سینہ پر گھونسا لگتا۔ آنسو جاری ہونے لگتے۔ مگر وہ ضبط کرتی اور جمیلہ کی طرف سے منہ پھیر لیتی آہ بھرتی اور کسی نہ کسی کام میں مصروف ہو جاتی۔

بڑے کرب بےچینی اور غم و فکر سے وہ دن اور اس سے دوسرا دن گذر اتیسرے

دن دوپہر کے وقت جمیلہ کو نہلایا گیا۔ نہلا کر بال سکھائے سر میں تیل ڈالا۔ اور کنگھی کر کے چوٹی گوندھنے لگی۔ معصوم جمیلہ خوش ہو رہی تھی۔ اسکے ہونٹوں پر معصوم تبسم کھیل رہا تھا۔ غریب لڑکی کو معلوم نہ تھا کہ اُسے موت کے آغوش میں دینے کیلئے تیاریاں کیجا رہی ہیں۔ اسوقت بہت سی عورتیں گھر میں جمع ہو گئیں تھیں اور سب ثواب سمجھکر جمیلہ کی آرائش میں مصروف تھیں۔ تمام عورتیں خوش ہو رہی تھیں۔ اگر غمزدہ تھی تو وہ سلمیٰ تھی وہ کیسے خوش ہوتی جب بچی کو اُس نے پالا تھا بڑی حفاظت سے پرورش کیا تھا۔ آج وہ زندہ درگور جانے والی تھی اسکا دل بل رہا تھا۔ کلیجہ دھڑک رہا تھا جسم کا بند لرز رہا تھا۔ چہرہ پر حسرت برس رہی تھی۔ غم نے تمام بدن سے خون کا قطرہ قطرہ تک چوس لیا تھا۔ جمیلہ کی چوٹی گوندھ کر یمنی ریشم کے کپڑے پہنائے گئے۔ وہ خوبصورت بچی تھی بننے سنورنے نے اسے اور بھی زیادہ خوبصورت بنا دیا۔

جب آفتاب ڈھل گیا تو قیس اور اسکے پیچھے بہت سے آدمی اسکے مکان پر آئے۔ اس زمانہ میں عربوں میں پردہ کا رواج نہ تھا۔ عورتیں مردوں میں اور مرد عورتوں میں ملے جلے رہتے تھے۔ قیس کے ساتھ جو لوگ آئے تھے وہ سب کے سب معزز صاحب اثر اور متمول عرب تھے۔ ابولہب[1]۔ ولید بن مغیرہ[2]۔ عاص بن وائل سہمی[3]۔ عتبہ بن ربیعہ[4]۔ ابوجہل۔ ابوسفیان[5] بن حرب اور بہت سے ایسے ہی لوگ تھے یہ سب رؤسائے عرب تھے۔ انکے ساتھ ابرش بھی تھا۔

---

[1] ابولہب عبدالمطلب کا بیٹا خاندان ہاشم سے تھا قریش میں بہت بڑا با اثر تھا ۱۲ [2] ولید بن مغیرہ حضرت خالد کا باپ تھا قریش کا رئیس اعظم تھا بڑا ابہا در ذی اثر اور دولتمند تھا تمام عرب میں مشہور تھا ۱۲ [3] عاص بن وائل قبیلہ سہم کا سردار تھا دولتمند اور صاحب اثر تھا۔ عمرو فاتح مصر کا باپ تھا [4] عتبہ بن ربیعہ امیر معاویہ کے نانا ۱۲

یہ سیدھے جمیلہ کے پاس پہنچے۔ جمیلہ کے گرد عورتوں کا مجمع تھا۔ سب عورتیں ایک طرف کھڑی ہو گئیں۔ ابرش نے آگے بڑھکر جمیلہ کو دیکھا۔ جمیلہ حسن و جمال کی تصویر ایک نوخیز کلی۔ ملکوتی صفات۔ معصوم بچّی تھی۔ بڈھا کاہن اُسے دیکھ کر حیران ہو گیا کچھ دیر اُسے ٹکٹکی لگائے دیکھتا رہا۔ جمیلہ نے شرما کر سر جھکا لیا۔ ابرش نے قیس سے مخاطب ہو کر کہا۔ قیس ایسی بچّی کی قربانی کی ضرورت تھی۔ پاک ہبل تم پر اپنی برکتیں نازل کریں گے ۔

اب ابرش نے اپنا فسردہ اور خشک جھرّیوں پڑا ہاتھ جمیلہ کے سر پر رکھا اُس نے کہا بیٹیا تیری قربانی ہمارے مصائب کا خاتمہ کر دیگی۔ جمیلہ کمسن اور نادان تھی وہ ابرش کا مطلب نہ سمجھی بھولا چہرہ اور معصوم آنکھیں اٹھا کر اُسے دیکھنے لگی۔ ابرش نے قیس سے مخاطب ہو کر کہا۔ قیس! جمیلہ کو لے چلو۔

قیس نے کہا جمیلہ چلو۔

جمیلہ نے دریافت کیا۔ کہاں چلوں پیارے ابّا؟

قیس نے کہا۔ ہمارے ساتھ

جمیلہ اُٹھ کھڑی ہوئی وہ چلی۔ اُسکے پیچھے تمام عورتیں۔ سارے مرد چلے۔ مگر نہ چلا گیا تو سلمہ سے وہ گھر کے دروازہ تک ساتھ آئی۔ دروازہ پر کھڑی ہو گئی۔ جب سب باہر چلے گئے تو اس نے ایک آہ کی اسکے جسم میں ارتعاش پیدا ہوا۔ اُس نے سنبھلنا چاہا مگر نہ سنبھل سکی غش کھا کر گری۔ مکان کے اندر کوئی بھی ایسا

دولتمند تھا تمام قبائل میں اسکا اثر تھا ۵ ابوجہل ولید کا بھتیجہ۔ حضرت خالد کا چچیرا بھائی تھا بڑا ذی نسب اور بالا اثر تھا ۱۲ ۶ ابوسفیان بن حرب میر معاویہ کا باپ قریش کا سپہ سالار تھا ۱۲

فرد نہ تھا جو عورت کو سنبھالتا۔

چوتھا باب

"وحشیانہ قربانی"

قیس کے مکان کے سامنے سینکڑوں آدمی کھڑے تھے بہت سی عورتیں دف لئے کھڑی تھیں۔ ان عورتوں اور مردوں میں ہر طبقہ کے لوگ تھے۔ جسوقت جمیلہ کو انھوں نے دیکھا فوراً ہبل کی جے "لات کی جے" کے نعرے بلند کرنے لگے عورتوں نے دف بجا بجا کر گیت گانا شروع کئے ان گیتوں میں بتوں کی تعریف تھی۔ عرب اور عرب کے تمام قبائل کی تعریف تھی اب اس مجمع نے جلوس کی صورت اختیار کر لی سب سے آگے ابرش ایک ہاتھ میں کھوپری اور ایک ہاتھ میں ہڈی لئے۔ ہڈیوں کی مالا پہنے سینہ اور کندھوں پر بال بکھرے ہوئے جا رہا تھا۔ اسکے پیچھے کاہنوں اور اعراف کی جماعت تھی یہ سب لوگ لمبے اونی جبہ پہنے ہوئے تھے جو اسقدر لمبے تھے کہ زمین پر گھسٹ رہے تھے۔ ہاتھوں میں مختلف اعضائے انسان کی ہڈیاں تھیں سب نہایت مکروہ اور خوفناک صورت تھے۔ انکے پیچھے پجاریوں کا گروہ تھا جو گھڑیال سنکھ اور تالیاں بجا رہے تھے۔ پجاریوں کے پیچھے عورتیں تھیں۔ سب حسب حیثیت اچھے کپڑے اور اچھے زیورات پہنے تھیں اکثر نوجوان عورتیں دف بجا بجا کر گیت گا رہی تھیں

ان عورتوں کے جلو میں معصوم جمیلہ تھی۔ نادان لڑکی اس جلوس کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ عورتوں کے پیچھے معزز باثر اور دولتمند اعرابی تھے یہ سب لوگ بالکل خاموش تھے قیس ابن عاصم بھی انکے ساتھ تھا۔ انکے پیچھے عوام الناس تھے جو تھوڑے تھوڑے وقفہ سے مختلف بتوں کے نام لے لیکر انکی جے پکارتے تھے۔ اس طرح یہ جلوس مرتب ہو کر چاہ زمزم کے سامنے پہنچا۔ زمزم کے دونوں طرف نائلہ اور اساف دو بت تھے۔ تمام مجمع ان بتوں کے سامنے سجدہ میں گر پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب انھوں نے سر اٹھایا تو سب کی پیشانیاں خاک آلودہ تھیں اب یہ لوگ شہر سے باہر کی جانب چلے اسی ترتیب سے چلے جس ترتیب سے یہاں تک آئے تھے۔ یہاں آکر مجمع بہت کچھ بڑھ گیا تھا۔ اب اس مجمع میں بہت سے ایسے لوگ شامل ہو گئے تھے جنکی گودوں میں دودھ پیتی بچیاں تھیں۔ بت پرستوں کا یہ گروہ مکہ سے باہر نکل کر ایک کھلے میدان میں پہنچا۔ یہ تمام میدان ریگ زار تھا۔ سفید سفید ریت چمک رہا تھا۔

حد نگاہ تک ریت کا سفید سمندر لہریں لیتا نظر آرہا تھا۔ اگرچہ عرصہ ہوا کہ آفتاب ڈھل چکا تھا لیکن اسکی تپش اسوقت تمام اوقات سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ ترچھی شعاعیں برچھی کی انی کی طرح جسموں میں پیوست ہوتی چلی جا رہی تھیں۔ ریت اسقدر گرم ہو گیا تھا کہ اسکی گرمی بدن کو جھلسائے دیتی تھی۔ ابھی یہ لوگ مکہ سے تھوڑی دور چلے تھے کہ سامنے سے چالیس ہم عمر سن کا خوبصورت اعرابی آتے ہوئے نظر آئے۔

یہ عرب نہایت خوبصورت بڑے وجیہہ کمال شاندار تھے۔ چہرہ سے اس قدر رعب و جلال ظاہر تھا کہ آنکھ بھر کر نہ دیکھا جاتا تھا۔ اس وقت ان کا تمام چہرہ سارا جسم پسینہ میں شرابور تھا لیکن عظمت و جلال اس قدر ظاہر تھا کہ ان کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ جب وہ اس مجمع کے قریب آئے۔

تو ابرش نے انھیں دیکھا۔ مگر جلالت کے رعب کی وجہ سے نہ دیکھ سکا اور نظریں جھک گئیں۔ وہ اعرابی بڑھتے رہے جب وہ ابو طالب کے قریب پہنچے۔ تو ابو طالب نے محبت بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔

قرۃ العین! تم اس تیز دھوپ میں ایسی گرمی کے وقت کہاں سے آ رہے ہو اعرابی رُک گئے۔ انھوں نے جواب دیا۔ یا عم! میں غارِ حرا سے آ رہا ہوں ابو طالب نے کہا پیارے محمدؐ! جانِ عم تم نے کیوں اپنی جان پر اس قدر مشقت برداشت کر رکھی ہے۔ کیا تمھیں اپنی صحت کا بھی خیال نہیں ہے۔ جاؤ کسی سایہ دار جگہ میں جا کر آرام کرو۔

یہ اعرابی حضرت محمدؐ تھے وہ اپنے چچا ابو طالب کو سلام کر کے چلے گئے نہ انھوں نے مجمع کی طرف نظر کی نہ یہ معلوم کیا کہ یہ مجمع کہاں اور کیا کرنے جا رہا ہے جب آپ دور نکل گئے تو ابرش نے کہا۔ کس قدر شاندار کس قدر وجیہہ خوبصورت شریف اور باعظمت انسان ہے۔ ہبل کی قسم میں نے پہلے کبھی ایسا کوئی انسان نہیں دیکھا۔ لیکن..... اپنی طرف سے خداؤں کی تذلیل کا اندیشہ ہے۔

ایک ضعیف العمر شخص ابرش کے پیچھے تھا۔ اسکا نام ورقہ بن نوفل تھا ورقہ عربی زبان کے ماہر تھے۔ عبری بھی خوب جانتے تھے۔ توریت[1] و انجیل[2] پڑھ چکے تھے انھوں نے کہا ابرش اندیشہ نہ کرو۔ اگر ہمارے خداؤں میں یہ طاقت ہے کہ وہ اپنی تذلیل کرنے والے کو سزا دے سکیں تو وہ خود سزا دے لینگے ہم فکر کیوں کریں ابرش نے

[1] توریت وہ مقدس کتاب ہے جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی۔

[2] انجیل وہ مقدس کتاب ہے جو حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی۔

کہا تم سچ کہتے ہو ورقہ! مجھے خدشہ ہے کہ شاید وہ سزا نہ دے سکیں۔
ورقہ نے کسی قدر جوش میں آکر کہا اگر وہ سزا نہیں دے سکتے تو پھر خدا کیسے!
ابرہتی نے حیران ہو کر ورقہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا یہ تم کہتے ہو ورقہ کیا تم بھی مرتد ہو گئے۔
ورقہ۔ میں مرتد نہیں ہوں۔ تم سب مکہ والے۔ سارے عرب کے باشندے اچھی طرح جانتے ہو کہ میں عربی جانتا ہوں۔ توریت اور انجیل کا ماہر ہوں مگر اپنے مذہب پر قائم ہوں ...... مگر میرا یہ اعتقاد ہے کہ خداؤں میں اتنی طاقت ضرور ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے منکروں کو سزا دے سکیں اور اپنے پرستاروں پر نوازش کر سکیں۔
ابرہتی۔ تم سچ کہتے ہو ورقہ۔
یہ تمام مجمع ابھی تک بڑھا چلا جا رہا تھا۔ یہانتک کہ وہ مکہ سے ایک میل کے فاصلہ پر نکل آیا۔ چونکہ وہ آہستہ آہستہ چلتا رہا تھا۔ اسلیئے بڑی دیر میں اس جگہ پہنچا۔ اسوقت آفتاب تین چوتھائی منزلیں طے کر چکا تھا دھوپ میں اب وہ چمک اور ایسی تیزی نہ رہی تھی جو اب سے چند گھنٹے پہلے تھی۔ یہ تمام مجمع ریت کے ایک بڑے تودہ کے پاس جا کر رکا پجاریوں نے یہاں پہنچکر گھنٹے اور ناقوس زور زور سے بجانا شروع کیے۔ کچھ دیر کے بعد ایک شخص بڑھا۔ اس نے کہا اے غیور عربو! میں اپنی خاندانی عظمت کو برقرار رکھنے کیلیئے اپنی اس بچی کو زندہ دفن کرتا ہوں۔ اس شخص کی گود میں ایک تین برس کی معصوم بچی تھی۔ اس نے لڑکی کو زمین پر بٹھا دیا اور دونوں ہاتھوں سے ریت ہٹا کر گڑھا کھودنے لگا۔ ریت تپ رہا تھا ننھی بچی ریت کی تپش برداشت نہ کر سکی رونے لگی۔
بیدرد و سنگدل باپ نے گھورا۔ مگر چھوٹی اور ناسمجھ لڑکی پر گھورنے کا کیا اثر ہوتا وہ برابر روتی رہی۔ اسکی نازک پنڈلیوں میں آبلے پڑ گئے اور وہ بلکنے لگی۔

باپ نے چپ رہنے کی فہمائش کرتے ہوئے دھکا دیا مگر وہ کیسے چپ ہوتی۔ اسکی رانوں اور پنڈلیوں میں آبلے پڑ گئے تھے۔ آبلوں میں سوزش پیدا ہو گئی تھی۔ معصوم لڑکی گرم ریت سے بچنے کے لئے باپ کے گھٹنے سے لپٹ گئی۔ ظالم باپ نے دھکا دیکر گرا دیا۔ لڑکی ریت پر گر کر تڑپنے لگی۔ وہ پھر اٹھی۔ پھر باپ سے لپٹی باپ نے پھر گرا دیا۔

قصی القلبی کا یہ منظر انسانوں کے دلوں کو ہلانے کیلئے کافی تھا مگر وہ مجمع کہنے کو انسانوں کا تھا مگر انسان ان میں ایک بھی نہ تھا سب سنگدل اور خونخوار بھیڑیے تھے تھوڑی دیر میں اسقدر گہرا گڑھا کھد گیا جسمیں ایک ننھی لاش دفنائی جا سکے اب باپ نے لڑکی کو اٹھا کر گڑھے میں اوندھے منہ ڈال دیا اور جلدی جلدی اس پر ریت ڈالنے لگا۔ لڑکی چیخنے چلانے لگی۔ اسکی دلدوز چیخوں سے ریگزار کا ذرہ ذرہ لرز گیا۔ نہ لرزے تو ان انسانوں کے دل وہ نہایت اطمینان سے ایک معمولی تماشا سمجھ کر اس وحشیانہ بربریت کے ہولناک منظر کو دیکھتے رہے۔

لڑکی نے اٹھنا چاہا۔ مگر ظالم اور شقی باپ بائیں ہاتھ سے اسے دبا کر داہنے ہاتھ سے اس پر ریت ڈالتا رہا یہاں تک ریت ڈالا کہ لڑکی بالکل دب گئی اور چیخوں کی آواز کم ہوتے ہوتے بند ہو گئی۔ بیرحم و بیدرد باپ برابر ریت ڈالتا رہا جب گڑھا بھر گیا تو گڑھے کے اوپر ریت کا انبار لگا کر اسے قبر بنا دیا۔ اس طرح وحشی ظالم اور سنگدل باپ نے اپنی زندہ بیٹی کو دفن کر دیا۔ اسکے بعد جو لوگ لڑکیاں لے کر آئے تھے سب نے معصوم لڑکیوں کو گڑھے کھود کھود کر دفن کر دیا اب کئی آدمیوں نے ملکر ایک بڑا اور گہرا گڑھا کھودا۔ جب گڑھا تیار ہو گیا۔ تو قیس جمیلہ کو لیکر بڑھا اور گڑھے کے کنارے پر جا کھڑا ہوا جمیلہ دیکھ چکی تھی کہ گڑھوں میں لڑکیاں دفن کی

گئی ہیں کہ جس گڑھے کے کنارے وہ کھڑی ہے اسی میں وہ دفن کیجائیگی۔ اس نے حسرت بھری نظروں سے اپنے باپ قیس کیطرف دیکھکر کہا۔ پیارے ابا۔ کیا تم مجھے اس گڑھے میں دفن کرنے کیلئے لائے ہو؟ قیس نے کہا! ہاں جمیلہ! تم نے ٹھیک سمجھا عرب میں لڑکیوں کے رہنے بسنے پرورش پانے کی گنجائش نہیں ہے"۔

جمیلہ پر ہراس طاری ہوا۔ اس نے کہا۔ لیکن میرا کیا قصور ہے تم کیوں مجھے دفن کرنا چاہتے ہو؟ قیس نے کہا ہماری خاندانی عظمت، ذاتی غیرت ہم کو ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے! جمیلہ رونے لگی۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ابا! پیارے ابا اگر تم مجھے کھانا اور کپڑے نہیں دے سکتے مت دو۔ میں ننگی اور بھوکی رہ لونگی..... آہ ابا ابھی مجھے دفن نہ کرو۔ یہ کہتے ہی جمیلہ قیس سے لپٹ گئی۔ اسکی نرگسی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار بہنے لگی۔ قیس کے چہرہ سے خشونت اور درشتی کے آثار ظاہر ہوئے اس نے کڑک کر کہا۔ ابھی دفن نہ کردوں تو کیا تجھے اسلئے زندہ رکھوں کہ تو بڑی ہو کر بیاہی جائے۔ کوئی شخص میرا داماد بنے۔ تمام عربوں کے سامنے میرا سر ذلت سے جھک جائے کبھی نہیں ہمارے خاندان میں کبھی کوئی لڑکی زندہ نہیں رکھی گئی۔

جمیلہ کا خوبصورت چہرہ فق ہوگیا۔ شدتِ غم سے آنکھیں آنسو بہانا بھول گئیں۔ موت کی بھیانک صورت سامنے آگئی وہ جلدی سے اپنے باپ کے پاؤں میں گر پڑی۔ اس نے کہا۔ پیارے ابا۔ مجھے بچالو۔ آہ میں تمہاری کنیز بنکر رہونگی۔

بیدرد باپ نے جمیلہ کو اٹھا کر گڑھے میں پھینکدیا۔ گڑھا گہرا مگر تنگ تھا جمیلہ اوندھے منہ گڑھے میں جاکر گر پڑی۔ قیس نے جلدی جلدی ریت گرانا شروع کیا جمیلہ اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن ریت اس تیزی سے اسکے اوپر پڑ رہا تھا کہ

اسے اٹھکر کھڑا ہونیکی مہلت نہ ملتی تھی۔ بیگناہ لڑکی چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔ ظالم باپ کی خوشامدیں کر رہی تھی۔ کہہ رہی تھی۔ پیارے ابا! رحم کرو مجھے بچالو۔ ہائے ابھی میرے مرنیکے دن نہیں ہیں لیکن قیس پر اسکے رونے عاجزی کرنیکا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ وہ برابر ریت ڈالنے میں مشغول تھا جمیلہ نے ایک دفعہ کوشش کی۔ پوری طاقت سے کوشش کی وہ اٹھکر کھڑی ہوگئی۔ اسکے سر پر تمام جسم میں ریت بھر رہا تھا آنکھیں نہ کھلتی تھیں۔ اس نے روتے روتے کہا۔ ابا میں ہاتھ جوڑتی ہوں مجھے بچالو"!

بجائے اسکے قیس کو اس پر رحم آتا اسے اور غصہ آگیا۔ اس نے جھٹکا دیکر اسے گرا دیا اور اس پر تیزی سے ریت الٹنے لگا۔

جمیلہ کا دم گھٹنے لگا۔ وہ چیخنے اور چلانے لگی۔ مگر ان وحشی درندہ صفت انسانوں میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جسکے دل میں رحم و کرم کا شائبہ ہوتا اور اس معصوم لڑکی کو بچانے کی کوشش کرتا۔

رفتہ رفتہ اسکی آواز بند ہونے لگی اور اسکے اوپر ریت کا انبار لگتا چلا گیا۔ جب گڑھا پر ہوگیا تو آواز بند ہوگئی۔ گھنٹے اور ناقوس اب پہلے سے بھی زور کے ساتھ بجنے لگے تھے قیس اٹھکر کھڑا ہوگیا تھا اس نے گڑھے پر ریت کا انبار نہ لگایا اسوقت وہ خوش تھا۔ بڑا خوش گویا کوئی نہایت اہم۔ نہایت اچھا کام انجام دیکر فارغ ہوا ہے۔

اسوقت آفتاب غروب ہوگیا تھا۔ رات کی سیاہ چادر نے اٹھکر انسانی سنگدلی اور انتہائی قساوت قلبی سے اس ہولناک منظر کو اپنے دامن میں چھپا لیا تھا۔ جب رات ہوگئی تو سب لوگ مکہ کی طرف لوٹے۔

پانچواں باب

آفتاب عرب

آفتاب عرب حضرت محمدؐ ابو طالب سے رخصت ہو کر مکہ میں آئے آپکے منور اور پر عظمت چہرہ سے جلال الٰہی کا تاثر ظاہر تھا آپکا جسم اطہر پسینہ میں تر ابور ہو رہا تھا آپ مکہ کی گلیوں کو طے کر کے اپنے مکان میں داخل ہوئے۔ مکان کیا تھا کچھ کچا کچھ پتھر کا بنا ہوا ایک احاطہ تھا۔ اندر چند کمرے بنے ہوئے تھے۔ جنکی چھت اسقدر نیچی تھی کہ کھڑا ہونے سے چھوئی جا سکتی تھی جسوقت آپ مکان کے احاطے کے اندر داخل ہوئے۔ تو حضرت خدیجہ آپکی محرم راز شریک حیات پیاری بیوی دوڑ کر استقبال کیلئے آئیں وہ آپکا چہرہ پر عظمت و جلال دیکھکر حیران رہ گئیں۔ آپ کچھ نہ بولے سیدھے ایک کمرہ میں چلے گئے۔ حضرت خدیجہ بھی پیچھے پیچھے پہنچیں انھوں نے دریافت کیا میرے سرتاج آج کیا بات ہے اور طبع اقدس پر کیوں گرانی ہے آپ نے کھجور کی چٹائی پر لیٹ کر فرمایا (متلونی زمتلونی) یعنی مجھے کمبل اڑھاؤ حضرت خدیجہ نے فوراً کمبل اڑھا دیا اور اسکے قریب بیٹھکر غم و فکر میں غرق ہو گئیں۔ حضرت خدیجہ کو آنحضرت سے بیحد محبت تھی۔ انھیں آپکی یہ حالت دیکھکر کمال غم و خدشہ ہوا چاہتی تھیں کہ کسی طرح صورت حالات معلوم کریں

لیکن حضور کمبل اوڑھے خاموش لیٹے ہوئے تھے انھیں آپ سے حالات معلوم کرنیکی جرأت نہ ہو سکی۔ کچھ عرصہ کے بعد حضور نے کمبل اتارا۔ اٹھکر بیٹھے حضرت خدیجہ کی جان میں جان آئی۔ انھوں نے دریافت کیا آپ آپکی طبیعت مبارک کیسی ہے؟ حضور نے فرمایا اچھی ہے! حضرت خدیجہ نے پھر دریافت کیا اب تک رخ منور تمتما رہا ہے میرے حضور کیا بات ہے؟ حضرت محمدؐ نے فرمایا۔ خدیجہ! آج ایک عجیب بات ہوئی ہے خدیجہ نے روئے مبارک کو غور سے دیکھکر دریافت کیا میرے سرتاج کیا واقعہ ہوا آپ نے فرمایا میں غار حرا میں بیٹھا تھا کہ ایک خوبصورت شخص نہایت پاکیزہ کپڑے پہنے نمودار ہوا۔ میں بے اختیار اسکے استقبال کیلئے کھڑا ہو گیا۔ اسکے چہرہ پر گویا بجلیاں کوند رہی تھیں نہایت تابناک تھا۔ اس نے میرے پاس آکر کہا اقراء میں نے کہا ما انا بقاری یعنی میں پڑھنا نہیں جانتا۔ اس شخص نے مجھے پکڑ کر کھینچا اور چھوڑ کر کہا اقراء یعنی پڑھو میں نے پھر وہی جواب دیا ما انا بقاری میں پڑھنا نہیں جانتا۔ اس نے تیسری دفعہ مجھے پکڑ کر زور سے کھینچا اور پھر چھوڑ کر کہا اقراء باسم ربک الذی خلق ٥ خلق الانسان من علق ٥ اقراء وربک الاکرام الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم ترجمہ: یعنی پڑھ خدا کے نام سے جس نے کائنات کو پیدا کیا۔ جس نے انسان کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ تیرا رب بڑا کریم ہے وہ جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا۔ وہ جس نے انسان کو باتیں سکھائیں جو اسے معلوم نہ تھیں۔

ﻪ چونکہ آنحضرت صلعم کے والدین اور دادا کی وفات عہد طفولیت ہی میں ہو گئی تھی اور آپ اپنے چچا کی سرپرستی میں تھے چچا نے آپکو تجارت کے کاروبار میں ڈال دیا تھا۔ اسلئے آپ کچھ بھی تعلیم حاصل نہ کر سکے تھے بالکل امی یعنی ان پڑھ تھے۔ صادق۔ صدیقی۔ سرونجوی

مجھ پر ہیبت طاری ہو گئی ۔ وہ شخص چلا گیا ۔ خدیجہ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے ؟
حضرت خدیجہ نے کہا ۔ بیشک عجیب بات ہے ۔ مگر حضور اس سے پریشان کیوں ہو گئے
آپ نے فرمایا اسلئے کہ لقد خشیت علی نفسی یعنی مجھے اپنی جان کا خطرہ ہو گیا ہے
حضرت خدیجہ نے دلدہی کے طور پر کہا کلا ابشر فو اللہ ما یخزیک اللہ ابدا
انک لتصل الرحم و تصدق الحدیث و تحمل الکل و تکسب المعدوم و تقری الضیف
و تعین علی نوائب الحق یعنی نہیں نہیں آپ کو خوش ہونا چاہیے ۔ واللہ اللہ آپکو
کبھی رسوا نہ کریگا ۔ کیونکہ آپ ہمیشہ صلہ رحمی کرتے ہیں ۔ ہمیشہ سچ بولتے ہیں ۔
ناداروں کے اخراجات برداشت کرتے ہیں ۔ آپ وہ تمام اوصاف رکھتے ہیں
جو اوروں میں نہیں پائے جاتے ۔ آپ مہمان نواز ہیں ۔ اور حق باتوں اور نیک
کاموں کی وجہ سے اگر کسی پر کوئی مصیبت آ سکے تو آپ اسکی امداد فرماتے ہیں
آپ خاموش ہو گئے اور سر جھکا کر کچھ سوچنے لگے ۔ آنحضور سے حضرت خدیجہ کو
بیحد محبت تھی ۔ آپکی خاموشی سے انکا دل سخت متاثر ہوا ۔ انھوں نے کہا کیا
حضور میرے ساتھ ورقہ کے مکان تک چل سکتے ہیں ؟ آپ نے دریافت کیا
کس لئے ۔ حضرت خدیجہ نے کہا ۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ ورقہ توریت و انجیل کا
ماہر ہے ۔ عربی زبان جانتا ہے ۔ بڑا عالم اور بڑی عقل ہے وہ بتا دیگا کہ یہ کیا
بات ہوئی اور آپ کیلئے کسی قسم کا کوئی اندیشہ تو نہیں ہے ۔

ورقہ نوفل حضرت خدیجہ کے چچا زاد بھائی تھے ۔ توریت و انجیل پر عبور رکھتے
تھے ۔ عربی اور عبرانی زبان کے ماہر تھے ۔ بڑے عقلمند اور دور اندیش تھے ۔
عیسائی مذہب کی طرف مائل تھے ۔ جب مکہ میں کسی کو کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو ان سے ہی

مشورہ لیا جاتا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا ابھی چلنے کا قصد ہے؟ حضرت خدیجہ نے کہا حضور میں آپکو متفکر دیکھکر پریشان ہوگئی ہوں۔ مناسب تو یہی ہے کہ اسی وقت تشریف لے چلئے۔ آپ نے فرمایا اچھا چلو! حضرت خدیجہ نے چادر اوڑھ لی۔ اس زمانہ میں پردہ نہ تھا عورتیں بے حجابانہ گلی کوچوں اور بازاروں میں پھرتی تھیں حضرت خدیجہ بھی خود ہی خرید و فروخت کیا کرتی تھیں۔ وہ حضرت محمدؐ کے ساتھ مکان سے باہر آئیں اور ورقہ بن نوفل کے مکان کی طرف روانہ ہوئیں۔ ورقہ کا مکان کسی قدر فاصلہ پر تھا۔ کئی گلیاں طے کرنا پڑیں۔ جب وہ اسکے مکان پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ ورقہ موجود نہیں ہے گھر سے باہر دختر کشی کی مذموم رسم میں باخبر کرنے کے لئے گئے ہوئے ہیں۔

چونکہ ورقہ حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی تھے۔ اسلئے انھیں انکے مکان پر ٹھہرنے کا حق تھا۔ وہ ٹھہریں۔ آنحضورؐ بھی انکے ساتھ رک گئے۔ دن چھپنے کے بعد ورقہ آئے۔ مکان میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ نہ روشنی کا کوئی انتظام تھا نہ روشنی کیجاتی تھی۔ ایک گوشہ میں ایک عورت ورقہ کیلئے کھانا تیار کر رہی تھی۔ آگ جو جلائی جا رہی تھی۔ اس سے مکان کے صحن میں کچھ کچھ روشنی ہو رہی تھی مگر وہ اس قدر نہ تھی کہ کسی کی شکل پہچانی جا سکے۔ حضرت خدیجہ نے ورقہ کو آتے ہوئے دیکھ لیا تھا انھوں نے بڑھکر کہا! یا ابن عم! میں تو تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ ورقہ نے آواز سے حضرت خدیجہ کو پہچانا۔ انھوں نے کہا کس لئے خدیجہ! کیا کوئی نئی بات واقع ہوئی ہے۔ حضرت خدیجہ نے کہا۔ ہاں ایک نئی بات ہوئی ہے۔ آپ کہیں اطمینان سے بیٹھیں تو عرض کر دوں۔

ورقہ مکان کے صحن میں کھجور دل کی چٹائی پر بیٹھ گئے انھوں نے کہا آؤ بیٹھو! خدیجہ! کہو تم کیا کہنا چاہتی ہو؟ خدیجہ نے آنحضور صلعم کو بھی بلایا۔ وہ دونوں ورقہ

کے پاس بیٹھ گئے۔ ورقہ ضعیف العمر تھے داڑھی رکھتے تھے۔ سر اور داڑھی کے بال سفید ہو گئے تھے۔ ورقہ نے حضرت محمد کو دیکھکر کہا۔ کون محمد ہیں! مرحبا یا محمد!! خدیجہ کہتی کیا کہنا ہے۔ حضرت خدیجہ نے وہ تمام واقعہ جو آنحضور نے ان سے بیان کیا تھا بیان کرنا شروع کیا۔ ورقہ نہایت غور اور توجہ سے سنتے رہے جب حضرت خدیجہ سب سب کچھ سنا چکیں تو ورقہ نے کہا۔ یا محمد میں آپکو مبارکباد دیتا ہوں یہ وہی ناموس اکبر ہے جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوا تھا۔ آنحضور نے فرمایا۔ یا ابن عم ذرا تشریح کر دیجئے ورقہ نے کہا۔ محمد سنو! تم کو خدا نے نبوت کیلئے انتخاب فرمایا ہے۔ تم پیغمبر آخر الزماں ہو گے تم وہ پیغمبر ہو جسکی بشارت توریت و انجیل میں موجود ہے جسکے مبعوث ہونے کی نوید حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نے دی ہے آپکی اُمت اقصائے عالم میں پھیل جائیگی۔

آنحضور نے دریافت کیا۔ کیا خدا میرے ذریعہ سے کوئی نیا مذہب پھیلائیگا؟ ورقہ نے جواب دیا۔ آپ مذہب ابراہیمیؑ کے علمبردار ہونگے ..... اے کاش میں جوان ہوتا اور اس وقت تک زندہ رہتا۔ جبکہ آپ تبلیغ اسلام کریں اور جب آپ کو آپکی قوم آپکے وطن سے نکالے۔ آنحضور یہ سنکر سخت متعجب ہوئے آپ نے دریافت کیا۔ ادمخرجی ھم یعنی میری قوم کیا مجھے نکال دیگی؟ ورقہ نے کہا ہاں۔ دنیا میں جو کوئی رسول ہو کر آیا جس نے توحید کی تعلیم پیش کی۔ اسکے ساتھ ہی اسکی قوم نے دشمنی اور عداوت کا برتاؤ کیا ہے۔ آپ کے ساتھ بھی یہی ہوگا۔

آنحضور نے پھر دریافت کیا۔ مگر وہ کون شخص تھا جس نے مجھے تین مرتبہ بھینچا! ورقہ نے کہا وہ فرشتہ تھا۔ خدا کا پیغام لانیوالا۔ جبرائیل امین

وہی انبیاء علیہ السلام پر نازل ہوتا رہتا ہے۔ آنحضور نے پوچھا۔ لیکن اس سے مجھے جان کا اندیشہ تو نہیں ہے؟

ورقہ نے جواب دیا بالکل نہیں اطمینان رکھیے۔ خدا آپکا حامی و مددگار رہیگا۔ آنحضور کو ورقہ کی گفتگو سے اطمینان ہوا۔ آپ نے کہا۔ اگر خدا میرا کارساز و حامی ہے تو مجھے کوئی خوف نہیں ہے۔ ورقہ نے کہا آپ پر کتاب نازل ہوگی اور جو کچھ نازل ہو مجھے سناتے رہنا۔ آپ نے اگر خدا نے چاہا تو میں ضرور سناتا رہوں گا۔

چونکہ اب حضور کی طبیعت بشاش ہوگئی تھی۔ حضرت خدیجہ کو بھی اطمینان ہوگیا تھا اور اب کوئی بات دریافت طلب نہ رہی تھی اسلئے حضور اور حضرت خدیجہ دونوں اُٹھے اور ورقہ کو سلام کرکے اسکے مکان سے باہر نکلکر اپنے گھر کیطرف روانہ ہوگئے۔

چھٹا باب

"غمزدہ ماں"

غمزدہ سلمٰی شدت غم سے بیتاب ہو کر غش کھا کر گری تھی۔ اسے تن بدن کا ہوش نہ رہا تھا چہرہ ست گیا تھا۔ سانس اسقدر دھیما چل رہا تھا کہ دیکھنے والے کو شبہ گذرتا تھا کہ چل بھی رہا ہے یا نہیں وہ جسقدر رحم کرتی حق بجانب تھا۔ جمیلہ کو اُس نے بڑے ناز و نعم سے پالا تھا چونکہ اسکے اور کوئی اولاد نہ تھی اسلئے اسکی محبت جمیلہ کی ذات تک محدود

ہوکر رہ گئی تھی۔ وہی اسکی محبت کا درخشاں ستارہ۔ منور چاند اور جگمگاتا ہوا سورج
تھی۔ آج اسکی مسرت کا خاتمہ ہوگیا تھا دنیا اندھیر ہوگئی تھی وہ جسقدر غم کرسکتی تھی کرتی
رہی مگر جب غم حد سے گذر گیا تو ضبط نہ کرسکی اور غش کھا کر گری۔ گھر میں کوئی بھی باقی نہ رہا
تھا۔ کون اسے اٹھاتا۔ کون دوڑ دھوپ کرکے ہوش میں لاتا۔ غمزدہ سلمیٰ دھوپ میں
پڑی رہی۔ بیہوش تھی۔ غافل پڑی تھی۔ یہانتک کہ آفتاب غروب ہوگیا۔ دن بھر چلنے
والی گرم ہوا قدرے ٹھنڈی پڑ گئی اور آسمان پر ستارے نکل کر چمکنے لگے۔ اسوقت
سلمیٰ کو ہوش آیا۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ اِدھر دیکھا اُدھر دیکھا۔ گھر میں سناٹا تھا وہ
اٹھکر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کہ وہ کہاں پڑی ہے کیوں اور کس حالت میں پڑی ہے ✤

رفتہ رفتہ اسے تمام باتیں یاد آگئیں جو دوپہر کو پیش آئی تھیں جمیلہ کو سلا کر جانا سلمیٰ
کو دلہن بنایا۔ اسکے باپ قیس کا اسے زندہ دفن کرنے کیلئے لیجانا اس خیال کے آتے
ہی اسکا دل ہل گیا۔ کلیجہ کانپ گیا۔ سینہ میں ہوک اٹھی اور محبت کا دریا امنڈ آیا۔ وہ
بیقرار ہوگئی۔ تڑپ گئی۔ کلیجہ مسوس کر رہ گئی۔ بیٹھا نہ گیا اٹھی ضعف کیوجہ سے چکرا گیا۔ دیوار
کا سہارا لیکر کھڑی ہوگئی دیر تک کھڑی رہی۔ دونوں ہاتھوں سے کلیجہ دبائے کھڑی رہی
کچھ دیر کے بعد دل امنڈ آیا آنسو جاری ہوگئے۔ زار و قطار رونے لگی۔ اسقدر روئی کہ
آنسوؤں سے دامن تر ہوگیا اور ہچکیاں آنے لگیں معصوم اور خوبصورت جمیلہ کی تصویر
اسکے سامنے کھنچ گئی۔ اسکی بھولی صورت نظر آنے لگی مغموم اور بدنصیب عورت سمجھی کہ شاید
باپ کو رحم آگیا اس نے چھوڑ دیا جمیلہ آگئی وہ بڑھی آغوش کشادہ ہوکر بڑھی جمیلہ کو اپنی
آغوش میں لینے کیلئے بڑھی۔ اس نے کہا جمیلہ تو آگئی میرے چاند آ! میرے سینہ سے
لگ جا۔ میرے دل کی بھڑکی ہوئی آگ فرو کردے ✤

جمیلہ وہاں کہاں تھی وہ تو محض تخیل تھا۔ مگر وہ سلمیٰ کے بڑھتے ہی خیالی تصویر غائب ہوگئی۔ اسکے ہاتھ پھیلے کے پھیلے رہ گئے اسکے کلیجہ پر دھکا لگا۔ اس نے شدت غم سے بیچین ہو کر اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لیں۔

اس بیکس عورت کے آنسو پہلے سے بھی زیادہ تیزی سے بہنے لگے۔ اس نے بین کرتے ہوئے کہا۔ آہ میری آنکھوں کی روشنی کیا تو مجھ سے خفا ہوگئی ہے کیا تیرے ظالم اور بے رحم باپ نے تجھے دفن کر دیا..... آہ نہیں میں اس غم کو برداشت نہ کر سکونگی۔ دیوانی ہو جاؤنگی۔ میں تجھے خداؤں کا واسطہ دیتی ہوں کہ تو مجھے بلکتا چھوڑ کر نہ جا.... ہائے جمیلہ! میں کسے بیٹی کہونگی اور کون میری گود میں پڑ کر میری کوکھ کو سرد کریگا۔ میری بچی تیری باتیں یاد آ کر مجھے خون کے آنسو رلائینگی۔

سلمیٰ رو رہی تھی۔ زار و قطار رو رہی تھی۔ اسکے رخساروں پر آنسوؤں کا دریا بہ رہا تھا۔ اس نے ایک ٹھنڈا سانس لیکر کہا۔ آہ عربستان میں عورتیں کس قدر بے بس اور بیکس ہیں۔ کس قدر ذلیل اور حقیر ہیں۔ کسی کام میں دخل دینے کا اختیار نہیں رکھتیں۔ کنیزوں کی طرح صرف کام کرنے کیلئے ہیں..... ہائے معصوم بچیاں زندہ دفن کر دی جاتی ہیں۔ مائیں روتی ہیں تڑپتی ہیں۔ لیکن چھپ کر سب کے سامنے رونے کا بھی حکم نہیں..... وحشی انسانو! تم کسقدر ظالم ہو، بیرحم مردو! تم کسقدر سنگدل ہو اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں سے زندہ دفن کر آتے ہو۔ تم کو کب عقل آئیگی تم نہیں جانتے کہ عورتوں کو اس سے کسقدر رنج اور کیسی تکلیف ہوتی ہے۔

سلمیٰ خاموش ہوگئی رونے سے اسکے دل کی بھڑاس نکل گئی تھی اور طبیعت کسقدر پرسکون ہوگیا تھا ابھی تک وہ دیوار سے لگی کھڑی تھی۔ کچھ سوچ رہی تھی۔

بےحال اور نڈھال سی ہو رہی تھی۔ کچھ دیر کے بعد اسکی حالت میں تغیر واقع ہوا۔ وہ دیوار سے الگ ہوئی۔ اس نے کہا لعنت ہے اس مکان پر اور یہاں رہنے والے پر اب ایک دم نہ رہوں گی۔ وہاں جاؤں گی جہاں میری جمیلہ ہے......

......مجھے جانا چاہیئے خاک چھاننے کیلئے۔ بغیر جمیلہ کے زندگی کس کام کی محض بے لطف اور بے مزہ ہے +

یہ کہتے ہی سلمٰی گھر سے باہر نکل آئی۔ رات کا وقت تھا۔ اندھیری رات تھی۔ ستارے آسمان پر بکھرے ہوئے چمک رہے تھے۔ مگر ان کی چمک دمک سے ساکنان ارض کو کوئی فائدہ نہ تھا۔ انکی ضیا آسمان تک ہی محدود تھی۔ بالکل اس طرح جیسے فاصلہ پر قندیل روشن ہو اور انکی روشنی قندیلوں کے ماحول تک ہی محدود تھی۔

نگر کی گلیاں اور راستے سنسان اور تاریک تھے۔ راستے بھی ناہموار او تنگ تھے۔ جگہ جگہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر لگ رہے تھے۔ سلمٰی ٹھوکریں کھاتی تھی۔ گڑھوں اور کوڑے کے ڈھیروں پر گرتی جا رہی تھی اسوقت نہ اسکے حواس ٹھیک تھے۔ نہ عقل ٹھکانے تھی۔ اندھیرا کچھ دیکھنے نہ دیتا تھا۔ وہ گرتی پڑتی چلی جا رہی تھی۔ بہت دیر کے بعد وہ بیت الحرام کے سامنے پہنچی جب جا کے قریب آگئی تو اساف اور نائلہ دو نوبت اسے نظر آئے۔ وہ بے اختیار ان خداؤں کے سامنے گر گئی۔ اس نے رو رو کر کہا میرے معبودو! میرے خداؤ مجھ پر رحم کرو ایک دکھیا مصیبت زدہ عورت پر رحم کرو۔ مجھ سے جمیلہ کو چھین لیا ہے۔ آہ جمیلہ! جمیلہ!!

سلمٰی پھر رونے لگی۔ غمزدہ عورت کے آنسو بات بات پر نکل آتے تھے وہ فقرہ پورا نہ کر سکی۔ جمیلہ کی یاد نے اُسے بےچین کر دیا۔ دیر تک سجدہ میں پڑی روتی رہی کچھ دیر کے بعد اٹھی۔ دوپٹہ کے آنچل سے آنسو خشک کیے۔ کھڑی ہوئی اور چل پڑی۔ ٹھوکریں کھاتی گرتی پڑتی مکہ سے باہر نکلی اسوقت وہ لوگ جو لڑکیوں کو دفن کرنے کیلئے مکہ سے باہر گئے تھے۔ واپس آرہے تھے وہ انہیں دیکھکر ایک دیوار کی آڑ میں کھڑی ہوگئی۔ لوگ ہبل کی جے نائلہ کی جے!! یغوث کی جے کے نعرے لگاتے ہوئے آرہے تھے۔ ناقوس اور گھنٹے زور زور سے بجا رہے تھے یہ مختلف آوازیں مکہ کی دیواروں سے ٹکرا کر گونج رہی تھیں۔

سلمٰی دیوار کی آڑ میں چھپی کھڑی تھی۔ لوگ مکہ میں داخل ہو رہے تھے جب سب داخل ہوگئے تو وہ اپنی کمین گاہ سے نکلی اور منیٰ کیطرف بڑھی۔ کھلا ہوا میدان تھا۔ ریگ زار تھا۔ سفید سفید ریت چمک رہا تھا۔ یہاں اسقدر اندھیرا نہ تھا جسقدر مکہ کے کوچہ اور راستوں میں تھا۔ سلمٰی بڑھتی رہی یہاں تک کہ اس جگہ پہونچی جہاں لڑکیاں زندہ دفن کیجاتی تھیں یہ مقام جبل نور کے دامن میں واقع تھا۔

رات کے اندھیرے میں پہاڑ کی چٹانیں سیاہ اور مہیب نظر آرہی تھیں سلمٰی نے چلا کر کہا جمیلہ . . . .

اسکی درد بھری آواز صحرائے ریگ زار میں گونجی جبل نور سے ٹکرائی۔ آواز بازگشت پیدا ہوئی۔ سلمٰی چونکی اس نے کہا آہ کیا میرے سوائے اور کوئی بدنصیب بھی اپنی جمیلہ کو یاد کر رہا تھا وہ بڑھتی رہی۔ تھوڑی دُور چلی تھی۔ کہ کسی نے

اٹھتے ہوئے کہا۔ خبردار کون آرہا ہے۔

سلمیٰ جمیلہ کی محبت میں سرشار ہو کر خوف سے بے نیاز ہو گئی تھی۔ وہ مطلق نہ ڈری بلکہ برابر بڑھتی رہی چند ہی قدم چلکر اُس نے دیکھا کہ ایک اعرابی بیٹھا زمین کھود رہا تھا اعرابی کے سر کے بال لمبے تھے۔ کمر اور کندھوں پر بکھرے پڑے تھے۔ چہرہ بھیانک اور آنکھیں خوفناک تھیں اس نے کہا کون ہے تو؟ سلمیٰ نے بغیر کسی جھجک اور خوف کے کہا ایک غمزدہ عورت!! اعرابی جلدی سے اٹھکر کھڑا ہو گیا۔ عورت! نصف شب کو؟ اس خوفناک مقام پر آنیکی وجہ؟ سلمیٰ نے روتے ہوئے کہا ایک بے کس ماں کو ایک بچی کی محبت یہاں کھینچ لائی ہے۔ اعرابی نے کہا تو کون ہے بے کس عورت؟ سلمیٰ نے کہا معصوم جمیلہ کی ماں!!

اعرابی نے غور سے سلمیٰ کو دیکھا اس نے کہا آہ سلمیٰ! تو کس قدر بدل گئی ہے معلوم ہوتا ہے تیرے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی نہیں رہا ہے۔ سلمیٰ نے کہا جسکی دس سالہ بچی زندہ دفن کر دی گئی ہو اسکے جسم میں خون ڈھونڈتے ہو اس بات پر تعجب کرو کہ وہ زندہ کیسے ہے؟ وہ جمیلہ! جمیلہ!!

سلمیٰ نے پھر اس دردآمیز آواز سے جمیلہ کا نام لیا کہ اعرابی لرز گیا۔ اس نے کہا سلمیٰ تمہاری دردناک آواز تو آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیگی۔ زمین کو پھاڑ دیگی میرا دل لرز گیا چلو میں تمکو جمیلہ کے پاس لے چلوں۔ سلمیٰ بے اختیار اعرابی کے اوپر جھک گئی۔ اس نے کہا آپکا احسان ہو گا۔ بڑا احسان ... تم بڑے مہربان ہو۔ کون ہو تم؟ اعرابی کا دل سلمیٰ کی باتوں سے متاثر ہو رہا تھا۔ اس نے کہا۔ میں ایک جفا کار انسان ہوں۔ بیدرد وحشی ہوں۔ سلمیٰ میں وہ بیرحم درندہ ہوں کہ جب لوگ لڑکیوں کو

دفن کرکے چلے جاتے ہیں۔ تو میں رات کو انھیں نکال کر زیور اُتار لیتا ہوں اور جو لڑکی زندہ ہوتی ہے اسکا گلا گھونٹ کر مار دیتا ہوں +

سلمٰی یا تو اسکے اوپر جھکی ہوئی تھی یا چونک کر کھڑی ہوگئی۔ اُس نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا تم !... اعرابی نے کہا مجھے ملامت نہ کرو سلمٰی اسوقت تمہاری حالت دیکھکر تمہاری باتیں سنکر میرا دل لرز گیا ہے...... اف میں نے کسقدر درندگی کی ہے...... مگر سوچو ذرا غور سے کہ کیا یہ میری بیرحمی۔ یہ درندگی ان انسانوں سے زیادہ ہے جو ان معصوم لڑکیوں کو اپنے ہاتھوں سے زندہ دفن کر دیتے ہیں ؟ سلمٰی نے کہا نہیں ! مگر......

اعرابی نے قطع کلام کرکے کہا۔ سلمٰی میرا دل میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا ہے تم کیوں مجھے ملامت کرتی ہو۔ سنو اب میں انسان بنونگا۔ آہ ! جن ماؤں کی گودوں سے لڑکیاں چھین کر لائی جاتی ہیں۔ غم و قلق کے وفور سے انکی کیا حالت ہوتی ہوگی ! تیری کیفیت دیکھکر میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا ہے۔ سلمٰی نے کہا مجھے دیکھو ! میری حالت کو دیکھو۔ آہ جمیلہ......

اعرابی نے کہا۔ سلمٰی تم خوش قسمت ہو۔ جمیلہ زندہ ہے جب سب لوگ چلے گئے تو میں نے سب سے پہلے اسکے اوپر سے ریت ہٹا کر اُسے نکالا۔ اسکا تنفس جاری تھا۔ میرا ارادہ ہوا کہ اُسے مار ڈالوں کہ معاً یہ خیال آیا کہ پہلے اور لڑکیوں کو نکال کر انکے زیور اتار لوں اسکا زیور بعد میں اُتار کر اسے مار ڈالونگا۔ اسلئے وہ بچ گئی۔ خداؤں کی مہربانی سے بچ گئی

سلمٰی نے جلدی سے دریافت کیا۔ وہ کہاں ہے ؟

اعرابی اسکا ہاتھ پکڑ کرکے چلا۔ تھوڑی دور چلکر وہ ایک گڑھے کے کنارے پر جا کر کھڑا ہوا اُس نے کہا یہ ہے سلمٰی نے غور سے دیکھا ایک ننھی سی لاش گڑھے کے کنارے پر پڑی ہوئی تھی۔ سلمٰی بے اختیار اسکے اوپر جھک گئی۔ اُس نے اُسے اپنی آغوش میں لیکر کہا۔

جمیلہ! میری جمیلہ!! کچھ اندھیرا اٹھا۔ کچھ لاش ریت سے اٹی ہوئی تھی کچھ سلمیٰ کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے وہ پہچان نہ سکی اسکے اوپر جھک گئی۔ خاک آلود سرد چہرہ کے بوسے لینے لگی اور اعرابی ننھی سی لاش کی گرد جھاڑنے لگا۔

ساتواں باب

نزول وحی

آنحضور معہ حضرت خدیجہ کے اپنے مکان پر تشریف لائے چند خرمے کھا کر سو رہے صبح بیدار ہو کر کچھ خرمے ایک چھاگل میں تھوڑا پانی لیکر گھر سے روانہ ہوئے۔ چونکہ ابرہہ نے مکہ کے تمام باشندوں کو یہ بات بتادی تھی کہ انکے آبائی مذہب کے خلاف اُنکے خداوں کے خلاف اور انکی مذمت کرنیوالے حضرت محمدؐ ہونگے اسلئے ہر اعرابی کے دل میں حضور کیطرف سے اندیشہ اور کھٹک سی پیدا ہوگئی تھی اور ہر شخص آپکو کینہ توز اور غیظ بھری نظروں سے دیکھتا تھا لیکن وہ ہمیشہ نظریں جھکا کر چلتے تھے نہ کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتے تھے نہ کسی کی غیظ بھری نظروں کی پرواہ کرتے تھے چنانچہ آج جب حضور اس شان سے نکلے کہ دوش مبارک کے ایک طرف ستو کا تھیلا لٹکا ہوا تھا۔ ایکطرف کھجوروں کا بائیں طرف کندھے پر سیاہ اونی کمبل پڑا تھا۔ ہاتھ میں پانی کی چھاگل تھی اور اس ہیئت سے واضح ہوتا تھا کہ آپ کہیں سفر پر جا رہے ہیں۔ لوگوں نے آپکو دیکھا تیز نظروں سے دیکھا غیظ و غضب بھری نظروں سے دیکھا۔ مگر حضور نے کسی کیطرف بھی نہ دیکھا حسب عادت سر جھکا کے چلتے رہے جب بیت الحرام کے پاس گئے تو طواف کیا اور مکہ سے نکلکر جبل نور کیطرف روانہ ہوئے پہاڑ سامنے ہی نظر آرہا تھا مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہر چٹان۔ چٹان کا ہر پتھر آفتاب کی تپش سے جھلس گیا ہو تمام پہاڑ پر کہیں سبزہ نہ تھا نہ کوئی درخت۔ سیاہ جلا ہوا پہاڑ معلوم ہو رہا تھا آپ پہاڑ پر پہنچکر ایک غار میں اترے۔ غار کچھ زیادہ وسیع نہ تھا۔ تقریباً چار گز لمبا اور پونے دو گز چوڑا تھا۔ ایک اونچی چٹان غار کے اوپر اٹھی ہوئی تھی۔ اس چٹان کی وجہ سے غار کے اندر تیز دھوپ اور باد صرصر کے گرم جھونکے نہ پہنچتے تھے۔ اس غار کا نام "غار حرا" تھا اس غار میں حضور عرصہ سے گوشہ نشین رہا کرتے تھے۔ اب پھر اسی غار میں متمکن ہو گئے۔ حضور کا دل آبادی سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ گوشہ نشینی اختیار کر رکھی تھی۔

کئی روز حضور مقیم غار رہے۔ جب ستو اور خرمے ختم ہو گئے تو آپ مکان پر تشریف لے گئے اور دوسرے دن پھر ستو اور خرمے لیکر آ گئے۔ چند روز آپ گوشہ نشینی کی حالت میں رہے۔ جب پھر ستو اور خرمے قریب الاختتام پہنچے تو آپ مکہ کی طرف روانہ ہوئے ابھی آپ کوہ صفا اور مروہ ہی تک پہنچے تھے کہ وہی شخص آپ کو ملا جس نے پہلے آپکو اپنی آغوش میں لے کر بھینچا تھا۔

یہ شخص نہایت خوش رو۔ بلند و بالا نوجوان تھا سفید کپڑے پہنے تھا وہ حضور کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا حضور نے اس سے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ اس شخص نے جواب دیا۔ یا محمد انت رسول اللہ وانا جبرئیل اے محمد تم خدا کے رسول ہو اور میں جبرئیل ہوں" حضور نے حیرت بھری نظروں سے جبرئیل کو دیکھکر کہا:۔

کیا جبرئیل فرشتہ؟ جبرئیل نے کہا ہاں جبرئیل فرشتہ۔ وہ فرشتہ جو تمام انبیاء کرام پر نازل ہوتا رہا ہے۔ اے رسول خدا اب میں تمہارے پاس بھیجا گیا ہوں:

حضور نے کہا۔ میں خدا کا رسول ہوں؟ جبرئیل نے جواب دیا۔ ہاں تم خدا کے

رسول ہو۔ خدا نے تم کو برگزیدہ کرلیا ہے حضور نے فرمایا۔ لیکن میں تو اُمّی ہوں لکھنا پڑھنا مطلق نہیں جانتا۔ جبرئیل نے کہا۔ خدا کی یہی مصلحت ہے!

آنحضور کے دیکھتے ہی دیکھتے جبرئیل امین غائب ہو گئے۔ حضور پر ہیبت طاری ہوئی چہرہ اطہر عرق آگیں ہوگیا۔ آپ جلدی جلدی چلکر اپنے مکان میں داخل ہوئے حضرت خدیجہ نے آپکو دیکھا۔ آپکی صورت اور کیفیت دیکھتے ہی وہ سمجھ گئیں کہ آج پھر کوئی نیا واقعہ ظہور پذیر ہوا ہے۔ آپ حجرہ میں جاکر چٹائی پر لیٹ گئے اور حضرت خدیجہ سے فرمایا کہ مجھے کمبل اُڑھادو۔ حضرت خدیجہ نے فوراً کمبل اوڑھا دیا

آج گرمی اور دنوں سے زیادہ پڑ رہی تھی۔ دھوپ میں اسقدر تپش اور ہوا میں اس درجہ حدت تھی۔ کہ ہر چیز کو جھلسائے دیتی تھی۔ سایہ میں بیٹھنے والے بھی گرمی سے گھبرائے جاتے تھے۔ مگر حضور کا جسم سرد تھا۔ آپ کمبل اوڑھ کر پڑ گئے۔

ابھی آپ کو لیٹے ہوئے تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ ایک پرجلال آواز آئی۔ یاایھا المدثر قم فانذر و ربک فکبر و ثیابک فطہر و الرجز فاھجر۔ یعنی اے چادر میں لپٹے ہوئے اُٹھ اور لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرا اور اپنے رب کی بزرگی اور بڑائی بیان کر۔ پاکدامنی اختیار کر اور شرک و بدی کی نجاست سے بچ!

آپ گھبرا کر اُٹھ بیٹھے۔ دیکھا تو جبرئیل سامنے کھڑے ہیں آپکے دیکھتے ہی دیکھتے حضرت جبرئیل غائب ہو گئے۔ آپ نے اپنی پیاری بیوی کی طرف دیکھا حضرت خدیجہ پاس ہی بیٹھی تھیں اور اندوہناک معلوم ہوتی تھیں۔

ہم بیان کر آئے ہیں کہ حضرت خدیجہ کو آنحضور سے بیحد محبت تھی چونکہ حضور کا وحی کا نزول شروع ہو گیا تھا اور نزول وحی کے وقت حضور پر اسقدر زور پڑتا

تھا کہ روئے مبارک اور جسم اطہر عرق آلود ہو جاتا تھا اسلئے حضرت خدیجہ کو ملال ہوتا تھا۔

ہر عورت اپنے شوہر کی خیر طلب اسکے دکھ درد کی شریک اور آرام و راحت کی خواہاں ہوتی ہے اور ہونا بھی چاہیئے۔ عورت کا سہاگ۔ عورت کا آرام۔ عورت کی فارغ البالی کی زندگی شوہر کی ذات تک ہے۔ یکجائی محبت پیدا کرکے ایک کو دوسرے کا ہمدرد و شریک بنا دیتی ہے۔ مگر حضرت خدیجہ کو جو محبت آنحضور صلعم سے تھی وہ ناقابل بیان ہے حضور کے اُٹھتے ہی خدیجہ نے دریافت کیا! میرے سرتاج! آج کیا بات ہے؟ کیوں روئے مبارک عرق آگیں ہے؟ حضور نے حضرت جبرئیل کے کوہ صفا اور مروہ پر ملنے۔ انکے رسول خدا کہنے اور اسوقت جبرئیل کے خطاب کرنیکی تمام روئیداد کہہ سنائی

حضرت خدیجہ نے سب کچھ سنکر کہا۔ میرے حضور ورقہ نے سچ کہا تھا۔ کہ حضور پر خدا کا پیغام نازل ہوگا اور حضور خدا کے رسول ہونگے آپ نے فرمایا لیکن خدیجہ مجھے اپنی قوم سے اندیشہ ہے۔ مجھے جو خدا حکم دیگا۔ وہ کرونگا۔ مگر خوف ہے شاید میری قوم نہ مانے

حضرت خدیجہ نے کہا۔ یہ خطرہ ضرور ہے لیکن کیا آپ قوم کے خوف سے خدا کے احکام کی تعمیل میں درگذر کرینگے آپ نے فرمایا کبھی نہیں!.... لیکن میں نہیں جانتا کہ خدا کیا حکم دیگا اور کس طرح سے میں اسکے حکم کی تعمیل کرونگا +

حضرت خدیجہ۔ خدا نے تو فرما دیا کہ لوگوں کو اسکے عذاب سے ڈراؤ۔ اسکی بزرگی اور عظمت بیان کرو:۔

آنحضور۔ بیشک خدا نے بتایا لیکن آج عرب کے ریگ زار کا ذرہ ذرہ ملحد و مشرک ہے۔ بتوں کی پوجا ہے۔ ہر قبیلہ۔ ہر خاندان گویا ہر شخص کا خدا جدا ہے میری آواز کون سنیگا۔ یقیناً ہر شخص۔ ہر قبیلہ۔ سارا حجاز اور تمام عرب میرا دشمن ہو جائے گا۔

میں تنہا کس کس کا اور کس طرح سے مقابلہ کر سکوں گا۔

حضرت خدیجہ۔ بیشک ایک شخص کا نہیں ایک خاندان کا نہیں۔ ایک قبیلہ کا نہیں سارے عرب کا مقابلہ کرنا ہوگا۔

آنحضور۔ مگر کچھ ہو خدیجہ باعث مقابلہ کرونگا۔ خدا کی اعانت کے بھروسہ پر مقابلہ کرونگا۔ کیا خدا میری امداد نہ کرے گا؟

حضرت خدیجہ۔ ضرور کریگا۔ لیکن حضور اعرب نہایت سخت سرکش اور سنگدل ہیں جن بتوں کو وہ اور انکے باپ دادا پوجتے رہے ہیں وہ کیسے ان کو چھوڑ دینگے کیسے انکی برائیاں سن سکینگے۔ کیا آپکو معلوم نہیں کہ ابرہہ نے تمام مکہ والوں کے دلوں میں حضور کی طرف سے برائی پیدا کر کے انکو حضور کے خلاف برانگیختہ کر دیا ہے۔

آنحضور۔ مجھے معلوم ہے۔ مگر خدا کے بندوں تک ضرور پہنچاؤں گا۔

اسکے بعد حضور خاموش ہو گئے حضرت خدیجہ ملول اور آزردہ خاطر ہو گئیں۔ وہ جانتی تھیں اور خوب اچھی طرح جانتی تھیں کہ حضور جو کہتے ہیں وہی کرتے ہیں صادق البیان ہیں صادق القول ہیں صادق الوعدہ ہیں۔ قوم بت پرست ہے اور بتوں کو معبود مانتی ہے صدیوں سے بتوں کی پرستش کرتی چلی آرہی ہے جسوقت حضور نے بتوں کے خلاف کچھ بھی کہا۔ اسی وقت حضور پر مصائب اور آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑینگے زندگی وبال جان ہو جائیگی گھر سے باہر نہ نکلنے دینگے۔ حضور ساری قوم کے مقابلہ میں یکہ و تنہا کیا کرینگے۔ اس خیال نے حضرت خدیجہ کو مغموم کر دیا۔ وہ دیر تک سر جھکائے کچھ غور کرتی رہیں۔ پھر اٹھیں چادر اوڑھی اور گھر سے باہر نکل آئیں سامنے کی گلی میں گھسیں اور چلنے لگیں۔ گلی ختم کر کے چوراہہ پر پہنچیں۔ داہنے ہاتھ مڑیں

اور کچھ دور چلکر ایک مکان کے دروازہ پر جاکھڑی ہوئیں۔ یہ مکان پتھر کا بنا ہوا تھا۔
آپ نے بلند آواز سے کہا۔ کیا میں اندر آسکتی ہوں۔ اندر سے آواز آئی!
آجاؤ تم کون ہو؟

حضرت خدیجہ مکان کے اندر داخل ہوئیں۔ مکان مختصر تھا۔ چونکہ دھوپ نہایت تیز ہورہی تھی۔ باد سموم کے جھونکے چل رہے تھے۔ اسلئے صحن میں کوئی نہ تھا۔ حضرت خدیجہ ایک حجرہ میں پہنچیں۔ یہاں ایک ضعیف العمر شخص چٹائی پر بیٹھا تھا ٹخنوں تک لمبا اونی جبہ پہنے تھا سفید اور لمبی داڑھی تھی۔ یہ شخص عیسائی راہب تھا۔ اسکا نام عداس تھا۔ ہر وقت انجیل کی تلاوت اور عبادت و ریاضت میں مصروف رہتا تھا۔ وہ حضرت خدیجہ کو جانتا تھا۔ اسوقت سے جانتا تھا جبکہ وہ حضور کے نکاح میں بھی نہ آئی تھیں۔ وہ انکی تعظیم کے لیے اٹھا۔ اس نے کہا مرحبا خدیجہ مرحبا! آؤ بیٹھو۔ حضرت خدیجہ اسکے سامنے چٹائی پر بیٹھ گئیں۔ عداس نے دریافت کیا۔ اس تیز دھوپ اور گرم ہوا میں کیوں تکلیف کی؟

حضرت خدیجہ نے کہا۔ میں کچھ باتیں دریافت کرنے آئی ہوں۔

عداس۔ کہو کیا دریافت کرنا چاہتی ہو؟

حضرت خدیجہ۔ یہ بتائیے کہ جبریئل کون ہے؟

عداس نے حضرت جبریئل کا نام سنتے ہی تعظیم کیلئے سر جھکا دیا پھر حیرت سے حضرت خدیجہ کو دیکھکر کہا۔ تم نے حضرت جبریئل کا نام کیسے اور کس سے سنا؟ تم تو اس قوم کی دختر ہو بت پرستی جنکا شعار ہے جو نہ حضرت جبریئل کو جانتے ہیں نہ خدا کو۔

حضرت خدیجہ نے کہا میں سب کچھ بتادونگی پہلے جو میں دریافت کروں اس کا جواب

دیجئے جائیے جبرئیل کون ہے؟

عداس۔ جبرئیل وہ مقدس فرشتہ ہے جو خدا کا پیغام رسولوں پر نازل ہوتا رہتا ہے

حضرت خدیجہ۔ اسکا نزول خیر و برکت سے مملو ہوتا ہے۔

عداس۔ جس بستی پر وہ نازل ہوتا ہے وہ بستی خیر و برکت سے لبریز ہو جاتی ہے۔

حضرت خدیجہ۔ اگر میں کوئی بات آپ سے کہوں تو کیا آپ اسکی رازداری کرینگے۔

چونکہ حضرت خدیجہؓ کو خوف تھا کہ اگر یہ بات الم نشرح ہو گئی کہ حضرت محمدؐ بتوں کے معبودوں کے خلاف وعظ و پند کرنیوالے ہیں تو لوگ قبل از وقت ہی شورش شروع کر دینگے۔ اسلئے انھوں نے عداس سے رازداری کا اقرار لینا ضروری سمجھا۔ عداس نے کہا میں اقرار کرتا ہوں کہ تمھاری بات کسی پر ظاہر نہ کرونگا۔ حضرت خدیجہؓ سنبھلکر بیٹھ گئیں انھوں نے کہا۔ آپ میرے شوہر حضرت محمدؐ کو جانتے ہیں؟

عداس۔ جانتا ہوں!

حضرت خدیجہ۔ آپ انھیں کیا سمجھتے ہیں۔

عداس۔ خاندان بنی ہاشم تمام قبائل میں معزز اور راست گو ہے اور خاندان بنی ہاشم میں حضرت محمدؐ سب سے زیادہ راستگو۔ امین۔ نیک اور خلیق ہیں۔

حضرت خدیجہ۔ اچھا سنئے حضرت محمدؐ کہتے ہیں کہ ان پر جبرئیل کا نزول ہوتا ہے۔

عداس نے اپنی گھسی ہوئی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے حضرت خدیجہؓ کو بڑے غور سے دیکھا دیر تک ٹکٹکی باندھ کر حیرت بنا دیکھتا رہا۔ کچھ دیر کے بعد بولا یہ سوسنہ کہانت یا اسرار جیسا معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ نبی ایک عنقریب مبعوث ہونیوالا ہے

لیکن محمدؐ وہ نبی نہیں ہو سکتا۔

حضرت خدیجہ۔ مگر آج تک انھوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

عداس۔ اسرار جنہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ اندیشہ نہ کرو۔ یہ انجیل لا دو یہ آسمانی کتاب ہے اگر اجنہ کا اسرار ہے تو اس کتاب کو دیکھ کر تیرا شوہر مضطرب ہوگا اور اگر واقعی ان پر جبرئیل کا نزول شروع ہو گیا ہے تو اس پر کوئی اثر نہ ہوگا اور وہ یقیناً پیغمبر ہیں۔

عداس نے حضرت خدیجہ کو انجیل دی۔ حضرت خدیجہ نے عداس کا شکریہ ادا کیا و انجیل چادر میں چھپا کر اٹھیں۔ مکان سے نکلیں اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئیں۔

جب وہ اپنے گھر پہنچیں تو سینہ میں سرالبہ تھیں انھوں نے دیکھا آنحضورؐ چارپائی پر بیٹھے تھے حضرت خدیجہ نے چادر اُتار کر ایک طرف رکھ دی اور انجیل آنحضورؐ کے سامنے کی۔ آنحضورؐ نے آہستہ آہستہ سر اٹھا کر انجیل کو دیکھا۔ حضرت خدیجہ غور سے حضورؐ کے بشرئہ مبارک کو دیکھتی رہیں۔ حضورؐ کا چہرہ بدستور بشاش تھا کسی قسم کا اضطراب وغیرہ ظاہر نہ ہوا۔ حضورؐ نے حضرت خدیجہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

یہ کون سی کتاب ہے خدیجہ؟

حضرت خدیجہ نے کہا۔ انجیل مقدس! اب بھی حضورؐ کے چہرہ سے کسی قسم کا اضطراب یا گھبراہٹ ظاہر نہ ہوا۔ حضورؐ نے دریافت کیا۔ یہ تم کہاں سے اور کیوں لائی ہو؟ حضرت خدیجہ نے انجیل رکھ دی اور تمام واقعہ عداس کے پاس جانے اور اسکی گفتگو کا سنا دیا۔ حضورؐ نے مسکرا کر فرمایا کیا تجھے یہ شبہ ہے خدیجہ! کہ مجھ جنہ کا اسرار ہے؟ حضرت خدیجہ نے کہا۔ اب شک نہیں رہا میرے حضورؐ مجھے یقین آگیا کہ آپ پر جبرئیل نازل ہوتے ہیں۔ آنحضورؐ مسکرا کر خاموش ہو گئے حضرت

خدیجہ کام میں مصروف ہو گئیں +

آٹھواں باب

"جانِ مادر"

غمزدہ سلمیٰ نے جمیلہ کو اپنی گود میں لے لیا۔ سینہ سے لگایا۔ اس نے خیال بھی نہ کیا کہ جمیلہ ریت سے اٹی ہوئی ہے۔ تنفس ٹھیک نہیں ہے سانس مشکل سے آرہا ہے وہ برابر اُسے پیار کرتی اور اسکے گرد آلود سر کے بوسے لیتی رہی۔ اعرابی البتہ جمیلہ کے اوپر سے ریت ہٹاتا رہا۔ سر اور چہرہ صاف کرکے اپنے جبہ کے دامن سے ہوا دیتا رہا۔ جب دیر ہوگئی اور سلمیٰ جمیلہ کو خوب پیار کر چکی۔ تو اس نے کہا بیٹی جمیلہ آنکھیں کھولو۔ دیکھو تمہاری بدنصیب ماں تمہارے پاس آئی ہے۔ جمیلہ پر غشی طاری تھی وہ بے حس و حرکت سلمیٰ کی گود میں پڑی تھی۔ اعرابی نے کہا سلمیٰ ابھی تک جمیلہ بیہوش ہے پہلے اسے ہوش میں آنے دو۔ اب سلمیٰ نے بھی دوپٹے کے آنچل سے ہوا دینا شروع کی۔ دیر تک اعرابی اور وہ ہوا کرتے رہے۔ لیکن جمیلہ کو ہوش نہ آیا۔ اب سلمیٰ کو فکر ہوا۔ اُس نے اعرابی سے مخاطب ہو کر کہا۔ یا ابن عم[1] کیا جمیلہ مجھے داغ مفارقت دیجائیگی۔ اعرابی خود حیران تھا اس نے کہا اپنے خداوند سے مہربانی کی التجا کرو۔ غریب سلمیٰ نے سمجھ لیا کہ جمیلہ کے بچنے کی اُمید نہیں اسے کمال رنج ہوا۔ اگرچہ وہ اعرابی کو نہ جانتی تھی اسکے نام سے بھی واقف نہ تھی وہ لیکن

[1] عرب میں قاعدہ ہے کہ ہر شخص کو ابن عم یعنی چچا کا بیٹا اور ہر بزرگ کو عم یعنی چچا کہتے ہیں +

غیر شخص تھا مگر اس نے سلمیٰ سے اظہار ہمدردی کیا تھا جو شخص کسی عورت کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے عورت کے دل میں اسکی عزت اور اسکی محبت پیدا ہو جاتی ہے سلمیٰ کے دل میں بھی اعرابی کی عزت اور محبت پیدا ہو گئی تھی وہ اُسے اپنا ہی سمجھنے لگی تھی۔ وہ اسکے کندھے پر جھک گئی اور روتے ہوئے بولی۔ آہ بچاؤ۔ میری جمیلہ کو بچاؤ۔ میری نور دیدہ کو بچاؤ اسکے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتی۔ اعرابی سلمیٰ کی اس گفتگو سے سخت متاثر ہوا اس نے دلدہی کے طور پر کہا سلمیٰ استقلال سے کام لو۔ مایوس نہ ہو جاؤ جمیلہ دیر تک ریت میں دبی رہی ہے اسلئے بیہوش ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسکے اوپر اسقدر ریت نہیں پڑا جو ہوا کی آمد و رفت روک دیتا اگر ہوا اس تک نہ پہنچتی تو یہ فوراً ہی مرجاتی اب اسکے مرنے کا اندیشہ نہیں ہے۔ اگر کہیں پانی مل جاتا تو اسکے چہرہ پر چھینٹے دینے سے اسے جلد ہوش آجاتا سلمیٰ نے کہا۔ آہ یہاں پانی کہاں ہے پانی تو مکہ ہی میں مل سکتا ہے۔

اعرابی نے کہا مشکل یہ ہے کہ میں مکہ نہیں جا سکتا۔ کیونکہ وہاں اکثر لوگ میرے دشمن ہیں۔ اگر کسی نے دیکھ لیا تو فوراً مار ڈالیں گے۔ سلمیٰ نے قطع کلام کر کے کہا اچھا تم یہاں جمیلہ کے پاس رہو۔ میں مکہ میں جا کر پانی لاتی ہوں۔

اعرابی نے کہا تمہارے حواس درست نہیں اور نہ تم اپنے قابو میں ہو۔ مکہ یہاں سے دور ہے اندھیری رات ہے ممکن ہے کہ تم بھٹک جاؤ اور میں تمام رات بیٹھا تمہارا انتظار کرتا رہوں۔

سلمیٰ۔ پھر کیا ہو؟

اعرابی۔ اگر تم کہو تو میں جمیلہ کو گود میں اٹھا کر لے چلوں اور مکہ سے باہر چھوڑ دوں وہاں سے تم اپنے ساتھ لے جانا۔

سلمیٰ۔ کیا میں گھر جا سکتی ہوں کیا جمیلہ کو اسکا بیدرد باپ گھر میں گھسنے دیگا۔

اعرابی۔ مشکل ہے۔

سلمیٰ۔ مشکل نہیں غیر ممکن ہے۔

اعرابی۔ پھر کیا ہو؟

سلمیٰ۔ تم مجھے اور جمیلہ کو یہیں چھوڑ دو۔ میں اس ریگ زار میں اپنی بچی کو لیکر زندگی بسر کر دونگی۔

اعرابی۔ جانتی ہو دن میں دھوپ کسقدر تیز پڑتی ہے۔ اس ریگ زار کا ذرہ ذرہ کھانڈ کے ریت کیطرح تیز گرم ہو جاتا ہے اس گلخن نما تودہ ریگ میں کسطرح رہوگی۔

سلمیٰ۔ نہ رہ سکونگی تو میں اور میری بچی جمیلہ دونوں جل بھنکر ساتھ ساتھ مر جائینگے۔

اعرابی۔ گویا تم ارادہ کر چکی ہو کہ اپنے گھر واپس نہ جاؤ گی۔

سلمیٰ۔ کس طرح جا سکتی ہوں کیا اگر میری بچی کو ہوش آگیا اور میں اُسے لیکر مکان پہنچی تو وہ مجھے اور جمیلہ کو گھر میں گھسنے دیگا۔

اعرابی۔ نہیں۔

سلمیٰ۔ پھر میں کیسے گھر واپس جا سکتی ہوں۔

اعرابی۔ اچھا تم میرے ساتھ چلو!

سلمیٰ۔ آپکی مہربانی کا شکریہ۔ میں تم پر کس حق سے اسقدر بوجھ ڈالسکتی ہوں

اعرابی۔ انسانی ہمدردی کے حق سے۔ سلمیٰ میں وہ درندہ صفت انسان تھا جسکے دل میں رحم و کرم کا نام بھی نہ تھا۔ میں نے سینکڑوں معصوم بچیوں کا گلا گھونٹ گھونٹ کر مار ڈالا۔ تم نے مجھے مہربانی کرنیکا سبق سکھایا ہے۔ میں تم کو اپنی بہن اور جمیلہ کو بہن کی

لڑکی سمجھ کر پالوں گا۔

سلمٰی۔ جب تو مجھے ساری رفاقت منظور ہے مگر تم کیا کہتے اور کہاں رہتے ہو۔

اعرابی۔ طائف[1] راستہ پر نخلہ[2] سے اسطرف ایک نخلستان[3] ہے اسمیں ہمارا قبیلہ خیمہ زن ہے

سلمٰی۔ کتنی دور ہے یہاں سے؟

اعرابی۔ شاید آٹھ میل ہے۔

سلمٰی۔ اتنی دور جمیلہ کو کون لے جائیگا؟

اعرابی۔ میں لے جاؤں گا۔ جمیلہ کا بوجھ ہی کیا ہے؟

سلمٰی۔ میرے محسن تمہارا نام کیا ہے؟

اعرابی۔ میرا نام اسد ہے یا یہ سمجھو کہ اسد نام مشہور ہو گیا ہے اصلی نام حارثہ ہے

سلمٰی۔ اسد نام کیسے مشہور ہوا؟

حارثہ۔ اسلئے کہ ہمارے قبیلہ میں مجھ سے زیادہ بہادر کوئی نہیں ہے ہمارا قبیلہ بنی بکر کی ایک شاخ ہے قبیلہ قحطان ہمارا مخالف ہے ایک مرتبہ اس قبیلہ نے ہم پر تاخت کی تھی تنہا میں نے انکے بیس آدمی قتل کر ڈالے تھے اسوقت سے میرا نام اسد مشہور ہے۔

سلمٰی۔ مگر بنی بکر تو خانہ بدوش قبیلہ ہے۔

حارثہ۔ ہاں ہم لوگ کبھی ایک جگہ جم کر نہیں رہتے اگر خانہ بدوشی کی زندگی پسند ہو تو میرے ساتھ چلو۔

سلمٰی۔ ضرور چلوں گی! اچھا تم جمیلہ کو اٹھالو۔

---

[1] طائف مکہ کے برابر ایک بڑا شہر ہے مکہ سے تیس میل کے فاصلہ پر ہے [2] نخلہ ایک مقام کا نام ہے طائف اور مکہ کے درمیان واقع ہے [3] نخلستان اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کھجور کے درخت ہوں بکثرت ہوں اور درختوں کے نیچے سبزہ لگا ہوا ہو

حارثہ نے بیہوش جمیلہ کو اٹھا کر گود میں لیا۔ سلمٰی اٹھی اور دونوں مالک کیطرف روانہ ہوئے حارثہ نہایت تنومند شخص تھا اسے جمیلہ کا بوجھ پھولوں کا گلدستہ معلوم ہوا۔ وہ اسے گود میں لیکر جلد جلد چلنے لگا۔ سلمٰی اسکے پیچھے روانہ ہوئی۔ رات کمال اندھیری تھی ستاروں کی چمک ریگزار کے ذروں پر پڑ کر اسقدر اجالا کئے ہوئے تھی کہ صرف راستہ نظر آرہا تھا۔ ریت کا سفید سمندر ایک طرف کوہ نور اور غار حرا پر جا کر ختم ہوگیا تھا۔ مگر دوسری طرف حد نگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔ ریت کے سفید تودے چمکتے نظر آرہے تھے۔ ہوا کے خوشگوار جھونکے چل رہے تھے۔ دن بھر تپنے والا ریت اسوقت ٹھنڈا ہو کر فرحت بخش بن گیا تھا۔ یہ دونوں چار میل ہی چلے تھے کہ یاہ! یاہ! کی آوازیں آئیں۔ حارثہ نے کہا سلمٰی شاید کوئی قافلہ آرہا ہے؟

سلمٰی نے کہا بیشک یہ حدی خوانوں کی آوازیں ہیں۔ شاید یہ قافلہ مکہ جارہا ہے۔

حارثہ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے ممکن ہے شام سے کوئی تجارتی قافلہ واپس آیا ہو۔

سلمٰی۔ آپنے ٹھیک سمجھا۔ مگر میں اس قافلہ کی آمد کی خبر کئی روز سے گرم تھی۔ یہ قریش والوں کا قافلہ ہے۔

حارثہ۔ آؤ تو ہم راستہ سے ایک طرف ہٹ جائیں اگر قافلہ والوں کی ہم پر نظر پڑگئی تو وہ ٹوکیں گے۔

سلمٰی۔ نہ صرف ٹوکیں گے بلکہ واپس مکہ لیجانے کی کوشش کرینگے۔

حارثہ۔ آؤ تو سامنے والے بلند تودہ کے پیچھے چھپ جائیں جب قافلہ نکل جائیگا۔ تب چلیں گے۔

دونوں تیز قدمی سے چلکر ریت کے پہاڑ نما تودہ کے پیچھے جا چھپے۔ حارثہ نے

جمیلہ کو ریت پر لٹا دیا۔ جمیلہ اب تک بیہوش تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں اونٹوں کی آمد شروع ہوئی۔ اونٹوں پر سامان بار تھا۔ ایک لمبی قطار میں اونٹ ایک دوسرے کے پیچھے اپنی مخصوص رفتار سے آہستہ آہستہ جگالی کرتے چلے آرہے تھے۔ کچھ ساربان پیدل چل رہے تھے اور کچھ اونٹوں پر بیٹھے تھے۔ کچھ لوگ گھوڑوں پر سوار تھے قافلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔ بڑی دیر میں سب سے آخری اونٹ آیا۔ جب قافلہ دور نکل گیا تو حارثہ نے جمیلہ کو اٹھایا اور چلا۔ سلمیٰ بھی چلی۔ دونوں ساری رات چلتے رہے۔ صبح صادق کے وقت ایک نخلستان کے سامنے پہنچے۔ یہ نخلستان کسی قدر وسیع تھا۔ دور تک کھجور کے درخت کھڑے تھے۔ نسیم سحر ان درختوں کے ساتھ اٹکھیلیاں کر رہی تھی۔ نخلستان کے اندر بہت سے خیمے نصب تھے چونکہ اب صبح ہو گئی تھی اسلئے ہر چیز صاف نظر آنے لگی تھی۔ سلمیٰ نے خیموں کو دیکھا تمام خیمے کھالوں کے تھے۔ لوگ سامنے کمبل بچھائے سو رہے تھے۔

یہ دونوں نہایت آہستگی سے ایک خیمہ پر پہنچے۔ حارثہ نے جمیلہ کو سبزہ پر لٹا دیا اور خیمہ کے اندر گھس کر ایک کمبل نکال لایا۔ کمبل بچھا کر جمیلہ کو لٹایا اور لکڑی کا پیالہ پانی سے لبریز کر کے لے آیا۔ اس نے جمیلہ کے منہ پر پانی کے چھینٹے دینے شروع کئے۔ تھوڑی دیر میں جمیلہ نے آنکھیں کھولدیں۔ اس نے کہا آہ! ابّا.....

سلمیٰ اسکے اوپر جھک گئی۔ اس نے کہا بیرحم ابّا کا نام نہ لے! جمیلہ کو ہوش آچکا تھا اور وہ غور سے سلمیٰ کو دیکھ رہی تھی۔ اسے پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی کچھ دیر کے بعد جب اس نے پہچان لیا تو اپنے ننھے ننھے ہاتھ اٹھا کر اسکی گردن میں حمائل کرتے ہوئے کہا او اماں!

سلمیٰ نے کہا۔ ہاں اے جان برادر! یہ کہتے ہی سلمیٰ نے جمیلہ کو سینے سے لگا لیا۔ جمیلہ بھی لپٹ گئی۔ حارثہ ماں بیٹی کو چھوڑ کر ایک طرف چلا گیا۔

نواں باب

"تبلیغ خصوصی"

حضرت محمدؐ ایک عرصے سے گوشہ نشین رہنے لگے تھے۔ زیادہ تر غار حرا میں معتکف رہتے تھے ہفتوں پہاڑ پر غار میں تنہا رہتے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا حضور کو دنیا سے نفرت ہوگئی ہے اور آپ دنیا سے کنارہ کش ہوکر اعتکاف میں بیٹھ گئے ہیں۔ حضور عہد طفولیت میں اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ ملک شام میں تجارت کیلئے تشریف لیجاتے رہے تھے۔ عہد جوانی میں حضرت خدیجہ کا مال تجارت لے جاتے تھے آپ راست گو صادق الوعدہ۔ خوش معاملہ تھے۔ کاروبار تجارت میں معاملہ اسقدر صاف رکھتے کہ کسی کو بھی کسی قسم کا شکوہ نہ ہوتا۔ سب خوش رہتے جو ایک دفعہ آپ سے معاملہ کر لیتا آپکا گرویدہ ہو جاتا۔ صرف مکہ ہی میں نہیں بلکہ یمن۔ بصری۔ شام کے ملک میں بھی جہاں جہاں حضور تشریف لیگئے اور جن لوگوں نے آپ سے معاملہ کیا سب آپکے مداح تھے۔ اکثر لوگ آپکے ساتھ مال تجارت کر دیتے۔ آپ نہایت دیانتداری سے مال فروخت کرتے اور زر قیمت بجنسہا مالکان کو دیدیتے۔ اس سے آپکے حسن معاملہ راستبازی صدق و دیانت اور پاکیزہ اخلاق کی عام شہرت ہوگئی۔ یہ شہرت اسقدر

ہوئی کہ زبان خلق نے آپکو مکہ کا امین تاجر کا لقب دیدیا۔ ہر جگہ آپ اسی نام سے مشہور ہو گئے۔ صادق الوعدہ اسقدر تھے کہ جو وعدہ کر لیتے ہزاروں مصائب اٹھا کے بھی پورا کرتے۔ ایک مرتبہ عبداللہ بن ابی الحمسا نے تجارت کے متعلق کچھ معاملہ کیا ابھی معاملہ پورے طور پر طے نہ ہوا تھا کہ عبداللہ کو کسی ضرورت سے کہیں اور جانا پڑ گیا۔ اس نے کہا میں ابھی آتا ہوں آپ ٹھہرے رہیں۔ آپ نے ٹھہرنے کا وعدہ کر لیا اتفاق سے عبداللہ اپنے وعدہ کو بھول گیا اور تین روز تک نہ آسکا۔ آپ برابر اسی جگہ ٹھہرے رہے تیسرے روز عبداللہ کو اپنا اقرار یاد آیا چونکہ وہ جانتا تھا کہ حضور صادق الوعدہ ہیں اسی جگہ موجود ہونگے۔ اسلئے دوڑا آیا اسے خوف تھا کہ حضور اسکی تغافل کیشی پر اسے سرزنش کرینگے وہ ترساں و لرزاں اسی جگہ آیا۔ دیکھا تو حضور موجود تھے اس نے آتے ہی عذر تغافل کیا مگر آپکی پیشانی پر شکن تک نہ تھا خشم و غصہ تو کیا چیز ہے صرف آپ نے اسقدر فرمایا کہ عبداللہ تم نے مجھے زحمت دی میں تین روز سے اسی مقام پر موجود ہوں۔ اسکے بعد معاملہ طے ہوگیا۔ آپکی دیانتداری پر لوگوں کو اسقدر بھروسہ تھا کہ زر نقد کے علاوہ بیش قیمت چیزیں بھی آپکے پاس امانت رکھ جاتے تھے اور جب ضرورت پڑتی لیجاتے ہر چیز بجنسہ ملتی آپکی اس دیانت و امانت کی شہرت عام ہوگئی حضرت خدیجہ نے بھی سنا۔ کاروبار تجارت میں امتحان بھی لیا آپکی خوش اخلاقی۔ پاکبازی دیانت امانت اور شرافت و نجابت کا ان پر ایسا اثر ہوا خود نفیسہ نام ایک عورت کے ذریعہ شادی کا پیغام دیدیا۔ حضرت خدیجہ بنت خویلد معزز اور متمول خاتون تھیں انکا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں حضور صلعم کے خاندان سے ملتا ہے وہ جو وہ تھیں نہایت شریف النفس اور پاکیزہ

۱؎ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ حمزہ بن عبدالمطلب کے ذریعہ سے شادی کا پیغام دیا گیا۔ مگر زیادہ تر مورخ نفیسہ کے ذریعہ سے پیغام دینے پر متفق ہیں (صادق۔ صدیقی۔ سرہندی)

اخلاق تھیں لوگ انکو طاہرہ کے نام سے پکارتے تھے۔ وہ دولتمند اسقدر تھیں کہ جب اہل مکہ کا قافلہ تجارت کیلئے روانہ ہوتا تو اکیلا انکا سامان تمام قافلہ کے سامان کے برابر ہوتا تھا اس زمانہ میں ان سے بڑا تاجر مکہ میں کوئی نہ تھا جب انھوں نے نکاح کا پیغام دیا تو آنحضور نے اپنے چچا ابو طالب سے مشورہ کر کے منظور کر لیا چنانچہ نکاح ہو گیا۔ نکاح کا خطبہ ابو طالب نے پڑھا اور پانچسو طلائی درہم مہر قرار پایا چونکہ حضرت خدیجہ مالدار تھیں خوبرو اور پاکیزہ اخلاق تھیں۔ قریش کے معزز خاندان سے تھیں۔ اسلئے اکثر لوگوں نے آپ سے نکاح کی خواستگاری کی تھی مگر انھوں نے تمام درخواستیں مسترد کر دی تھیں شاید انکا نکاح کرنیکا ارادہ نہ تھا مگر حضور کی امانت و دیانت و راستبازی و خوش اخلاقی کا شہرہ سنکر ایسی گرویدہ ہو گئیں کہ خود نکاح کا پیغام دیکر نکاح کر لیا۔ نکاح کیوقت حضور کی عمر پچیس سال اور حضرت خدیجہ کی عمر ۴۰ سال تھی۔ حضرت خدیجہ سے آپکے دو لڑکے قاسم اور طاہر ہوئے اور صغر سنی میں انتقال کر گئے قاسم اس حد تک بڑے ہو گئے تھے کہ سواری وغیرہ پر سوار ہو سکتے تھے۔ قاسم کیوجہ سے آپکی کنیت ابو القاسم مشہور ہو گئی حضرت خدیجہ کے بطن سے آپکے چار صاحبزادیاں حضرت فاطمہ حضرت زینب حضرت رقیہ حضرت ام کلثوم ہوئیں۔ ان میں حضرت رقیہ سب سے بڑی تھیں حضرت زینب کا نکاح ابو العاص بن الربیع سے ہوا تھا حضرت ام کلثوم کا عقد حضرت عثمان غنی سے ہوا تھا۔ انکی وفات کے بعد حضرت رقیہ حضرت عثمان سے بیاہی گئیں۔ اسی وجہ سے حضرت عثمان کا لقب ذو النورین تھا۔ حضرت فاطمہ سب سے چھوٹی تھیں۔

آپکے چچا ابو طالب کے تین بیٹے عقیل جعفر اور حضرت علی تھے عیالدار تھے مفلسی اور تنگی کے ساتھ گذر اوقات ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ جب قحط پڑا اور ابو طالب نہایت

تنگی اور عسرت میں گرفتار ہو گئے تو حضور اپنے چچا عباس سے فرمانے لگے کہ چچا ابو طالب پر عسرت کیوجہ سے تنگی ہے مناسب ہے کہ ہم اسوقت انکی امداد کریں۔ ایک لڑکے کو آپ لے آئیں اور ایک کو میں لے آؤں حضرت عباس نے منظور کر لیا۔ دونوں ابو طالب کی خدمت میں پہنچے اور ان سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ ابو طالب نے کہا کہ عقیل کو میرے پاس رہنے دو جعفر کو عباس لیجائیں اور علی کو تم لیجاؤ۔ چنانچہ حضرت جعفر کو عباس لے گئے اور حضرت علی کو آنحضور صلعم لے آئے اور انکی پرورش کرنے لگے۔

حضرت خدیجہ کے ایک بھتیجے حکیم بن حزام تھے متمول آدمی تھے وہ ایک عیسائی غلام زید بن حارث کو خرید لائے تھے۔ انھوں نے زید کو حضرت خدیجہ کی نذر کر دیا حضرت خدیجہ نے آنحضور صلعم کی نذر کر دیا۔ آپ نے اُسے اپنے عزیز کیطرح اپنے پاس رکھ لیا کچھ عرصہ کے بعد زید کے باپ حارث اور چچا کعب اسے لینے کیلئے آئے اور آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر نہایت عاجزی سے درخواست کی کہ زید کو یا تو آزاد کر کے انکے ساتھ کر دیا جائے یا انکی مناسب قیمت لیکر آزادی بخشی جائے آپ نے فرمایا کہ اگر زید آپکے ساتھ جانے پر رضامند ہو تو میں اُسے آزاد کر دونگا چنانچہ زید کو بلوایا گیا۔ انکے باپ حارث نے ان سے دریافت کیا زید کیا تم ہمارے ساتھ چلنے کو تیار ہو؟ زید نے جواب دیا نہیں۔ حارث کو بڑا تعجب ہوا۔ اس نے پوچھا کس وجہ سے؟ زید نے کہا اگرچہ میں غلام ہوں۔ مگر ایک ایسے مجسم اخلاق و مہربان کی خدمت میں ہوں جسکی عنایات نے میرے دل میں گھر کر لیا ہے اور اب میں ان سے جدا ہونا نہیں چاہتا۔

حارث کو غصہ آیا۔ اس نے کہا۔ بدبخت! کیا تو آزادی کو غلامی پر ترجیح دیتا ہے زید نے کہا حضرت محمد کی غلامی پر ہزاروں آزادیاں قربان ہیں۔ میں نے ان میں ایسی

باتیں دیکھی ہیں کہ ساری دنیا پر ان کو ترجیح دیتا ہوں۔

حارث اور انکے چچا کعب نے ہر چند سمجھایا مگر وہ کسی طرح وہاں سے جانے پر راضی نہ ہوئے مجبوراً دونوں خاموش ہو گئے۔ آنحضور صلعم اٹھے اور انکے باپ و چچا کو ہمراہ لیکر خانہ کعبہ میں گئے اور اعلان کیا کہ لوگو! گواہ رہو کہ میں نے زید کو آزاد کر دیا ہے اور اُسے اپنا بیٹا بنا لیا ہے[1]۔ زید کے باپ اور چچا اس بات سے خوش ہو گئے اور زید کو آپکے پاس چھوڑ کر چلے گئے۔ آپکا رسوخ ہر طبقہ کے افراد سے تھا۔ رئیس، امیر، غریب، فقیر، سپہ سالار، سپاہی غرضیکہ سب سے آپ ملتے تھے لیکن آپکے خاص مراسم خاص خاص لوگوں سے تھے۔ خاص طور پر اور زیادہ تر ابوبکر بن قحافہ سے تعلقات تھے۔

ابوبکر نہایت خوبصورت تھے۔ خوبصورتی کیوجہ سے آپ کا لقب عتیق پڑ گیا تھا۔ آپ قبیلہ بنو تمیم سے تھے۔ خونبہا اور تاوان کا فیصلہ کرنے کیلئے آپ حاکم بنائے جایا کرتے تھے۔ آپکا فیصلہ تمام قبائل کو بے چون و چرا ماننا پڑتا تھا۔ نہایت متمول تھے تاجر تھے مصر و شام میں بغرض تجارت جایا کرتے تھے۔ تمام قبائل میں آپکا اثر و رسوخ تھا۔ چھٹی پشت سے آپکا نسب آنحضور صلعم کے نسب سے مل جاتا ہے۔ عثمان بن عفان آپکے داماد تھے۔ حضرت عثمان کی نانی آنحضرت صلعم کے والد حضرت عبداللہؓ کی حقیقی بہن تھیں۔ جو حضرت عبداللہ کے ساتھ توام پیدا ہوئی تھیں اس طرح عثمان آنحضور صلعم کے پھوپھی زاد بہن کے بیٹے تھے۔ نہایت مالدار۔ بڑے سخی۔ بڑے شرمیلے تھے

---

[1] ہجرت کے بعد جب یہ حکم نازل ہوا کہ منہ بولا بیٹا بنانا جائز نہیں تو مسلمانوں میں کسی کو متبنٰے کرنا بھی جائز نہ رہا۔ یہ بات بھی درست ہے۔ دوسرے کا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ کسی سے بیٹے جیسی محبت کی جائے۔ صادق۔ صدیقی۔ سرو ہنوی۔

آپ سے بھی حضور صلعم کے خاص تعلقات تھے۔ انکے علاوہ ابوسفیان۔ خالد۔ ابوجہل حبیب وغیرہ سے بھی تعلقات تھے۔ ہر قبیلہ قبیلہ کا ہر فرقہ آپکو عزت کی نظروں سے دیکھتا تھا۔ اکثر لوگ باہمی نزاع کے وقت آپکو حاکم قرار دیتے تھے۔ آپکے فیصلہ کو مانتے تھے لیکن جب سے آپ غار حرا میں معتکف ہو گئے تھے اسوقت سے آپ نے لوگوں سے ملنا چھوڑ دیا تھا اور جب سے آپ پر نزول وحی شروع ہوا تو آپ چپ چاپ رہنے لگے تھے حضرت خدیجہ کو آپکی خاموشی سے بڑا فکر پیدا ہو گیا تھا۔ وہ اس کے پاس آکر کام میں مشغول ہو گئی تھیں۔ مگر دل کسی کام میں نہ لگتا تھا۔ آنحضور خاموش بیٹھے تھے کہ علی آگئے۔ حضرت علی آپ ہی کے پاس رہتے تھے۔ صغیر سن تھے اور خاموش دیکھکر انھیں کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔ شام تک حضور بیٹھے رہے۔ رات کو کھانا کھاکر آرام کیا اسکے بعد برابر نزول وحی ہوتا رہا۔

ایک روز آپ دامن کوہ میں بیٹھے تھے کہ حضرت جبرئیل تشریف لائے انھوں نے وضو کیا۔ حضور نے بھی اسی طرح وضو کیا جس طرح حضرت جبرئیل نے کیا تھا۔ پھر حضرت جبرئیل نے نماز پڑھائی۔ اس روز حضور نماز پڑھتے تھے۔ آپ تنہا نماز پڑھتے تھے نہ کوئی اور اسوقت تک مسلمان ہوا تھا نہ نماز پڑھتا تھا۔ پہلے تو آپ پہاڑ پر ہی نماز پڑھ لیتے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ مکان پر بھی پڑھنے لگے۔

حضرت خدیجہ۔ حضرت علی۔ زید آپکو نماز پڑھتے حیرت سے دیکھا کرتے تھے وحی کا نزول برابر جاری رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک روز آپ پر وحی نازل ہوئی:۔

فاصدع بما تؤمر۔ یعنی اور تجھکو جو حکم دیا گیا ہے وہ آشکار کہہ دے۔

آپ اس حکم ربانی کو سنکر متذبذب ہوئے۔ آپکا تذبذب حق بجانب تھا۔ اس

زمانہ میں دو اگراہی اور ضلالت میں مبتلا تھی۔ خصوصاً عرب کا ہر خاندان۔ ہر قبیلہ اور ہر شخص مرگ ملحد تھا۔ بت پرستی عام تھی۔ خدا کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ پھر ایسے سخت اور سرکش لوگ تھے کہ بتوں کے خلاف ایک لفظ بھی سننے کو تیار نہ تھے۔ حضور سوچنے لگے کہ تبلیغ بہت سے اور کون سے لوگوں سے شروع کیجائے۔ حکم باری تعالیٰ نازل ہوا۔

وانذر عشیرتک الاقربین یعنی اپنے قریبی خاندان والوں کو خدا سے ڈراؤ۔

وحی نے تبلیغ کا راستہ بتایا۔ آپ نے فوراً تبلیغ شروع کر دی۔ سب سے پہلے حضرت خدیجہ کے سامنے خدا کی تعریف بیان کی۔ حضرت خدیجہ بتوں کی پرستار تھیں مگر وہ ورقہ اور عداس سے سن چکی تھیں کہ حضور پیغمبر ہو جائیں تو عجب نہیں۔ آپکے اخلاق اور عالمانہ حرکات و سکنات۔ گفتار و کردار کا تجربہ رکھتی تھیں۔ فوراً ایمان لے آئیں کفر و شرک سے توبہ کر کے مسلمان ہو گئیں۔ حضور کو انکے مسلمان ہونے سے مسرت ہوئی۔ آنحضور صلعم تنہا نماز پڑھا کرتے تھے۔ اب حضرت خدیجہ کے ساتھ ملکر پڑھنے لگے۔ ایک روز آنحضور صلعم اور حضرت خدیجہ نماز پڑھ رہے تھے کہ حضرت علی آئے اس وقت آپکی عمر دس سال کی تھی۔ آپکو سخت تعجب ہوا۔ اگرچہ آپ پہلے بھی آپکو نماز پڑھتے دیکھ چکے تھے۔ لیکن حضرت خدیجہ کو کبھی نہ دیکھا تھا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ نے آنحضور صلعم سے دریافت کیا۔ آپ دونوں کیا کر رہے تھے۔

حضور صلعم نے فرمایا۔ ہم نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے حیران ہو کر کہا۔ نماز لیکن سجدہ کسکو کیا جاتا ہے آپکے سامنے کوئی بت نہ تھا؟ حضور نے فرمایا ہم بتوں کو نہیں پوجتے بلکہ خدا کو پوجتے ہیں جو خالق کائنات ہے جسکا کوئی شریک اور سہیم نہیں ہے۔ جو

اکیلا ہے جس نے بزم جہان بنائی ہے ۔ جو رب العالمین ہے جسکے حکم سے آفتاب و مہتاب نکلتے اور غروب ہوتے ہیں۔ حضرت علی یہ سنکر کمال متحیر ہوئے ۔ آپ نے کہا ۔ یہ تو عجب بات ہے ۔ میں نے پہلے نہیں سنی ۔ آپ نے فرمایا علی! میں خدا کا رسول ہوں خدا کا پیغام مجھ پر نازل ہوتا ہے ۔ آؤ تم بھی دین حق میں داخل ہو جاؤ ۔ حضرت علی نے کہا مجھے سوچنے دو ۔ حضور نے فرمایا علی لم تسلم فاکتم علی ما اکتبی علک اللیل فالقی اللہ فی قلبک والاسلام ۔ یعنے اے علی! اگر تو اسے قبول نہ کرے تو رات تک اسے چھپانا ۔ تاکہ خدا تیرے دل میں اسلام ڈالدے ۔ حضرت علی نے اس بات کا اقرار کرلیا جب رات گذر کر دن ہوا ۔ تو حضرت علی آنحضور کے پاس آئے اور کہا میں اب خدا کے دین میں داخل ہونا چاہتا ہوں ۔ حضور نے فوراً کلمہ پڑھا کر مسلمان کرلیا اور یہ ہدایت کی کہ ابھی اپنے اسلام کو کسی پر ظاہر نہ کریں ۔ حضور چاہتے تھے کہ رفتہ رفتہ کچھ لوگ مسلمان ہو جائیں تب علانیہ تبلیغ کریں اور حکم بھی یہی آیا تھا کہ پہلے گھر والوں کو خدا سے ڈراؤ ۔ ایک روز آپ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت ابو بکر آگئے ۔ جب وہ بیٹھ چکے ۔ تو حضور نے فرمایا ۔ ابوبکر تم مجھے کیسا سمجھتے ہو ۔ حضرت ابو بکر نے کہا نہایت نیک اور خلیق ۔

آنحضور ۔ اور سچا بھی ؟

حضرت ابو بکر ۔ ہاں سچا بھی ۔ میں نے کبھی آپکو کوئی غلط بات کہتے نہیں سنا!

آنحضور ۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں خدا کا رسول ہوں اور مجھ پر وحی کا نزول ہوتا ہے تو تم یقین کرلوگے ۔

حضرت ابو بکر ۔ بیشک یقین کرلوں گا ۔

آنحضور۔ اچھا تو سنو مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے میں خدا کا پیغامبر ہوں اور
خدا کا حکم ہے کہ غیر اللہ کی پرستش چھوڑ دو۔ اسی کو پوجو جس نے سب کو پیدا کیا ہے اور جسکے
ہاتھ میں فنا و بقا ہے۔

حضرت ابو بکر۔ آمنت باللہ یعنی میں اللہ پر ایمان لے آیا۔

آنحضور صلعم حضرت ابو بکر سے یہ سنکر کمال مسرور ہوئے آپ نے انھیں سینہ سے
لگا لیا۔ مسلمان کرکے ارکان اسلام کی تعلیم دی۔ چونکہ حضور جانتے تھے کہ ابو بکر بڑے باا...
اور بارسوخ ہیں۔ اسلئے آپ نے فرمایا۔ ابو بکر! کیا تم خدا کے دین کی تبلیغ میں میری ...
کرو گے؟ حضرت ابو بکر نے فرمایا۔ کیوں نہ کروں گا جسطرح میں آبائی مذہب میں پیش پیش
رہتا تھا۔ اسی طرح دین حق میں بھی سب سے آگے رہوں گا۔

آپ نے حضرت ابو بکر کیلئے دعائے خیر کی۔ تھوڑی دیر کے بعد ابو بکر رخصت ہوکر
چلے گئے۔ آپ اس روز نہایت بشاش اور مسرور رہے۔ حضرت خدیجہ آپکو شاداں ...
دیکھ دیکھ کر نہایت خوش ہوتی رہیں۔ چند روز کے بعد آپ نے زید سے کہا۔ زید میں خدا
کا رسول ہوں۔ خدا کے مذہب کی تبلیغ کرتا ہوں۔ تم بھی خدا کے دین میں داخل ہو جاؤ۔

زید نے کہا میرے حضور! میں آپکے خصائل سے خوب واقف ہوں۔ لہذا ...
آپکے رسول ہونے میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے۔ آپ مجھے مسلمان کرلیں۔

حضور نے زید کو بھی مسلمان کر لیا۔ اب تین آدمی مسلمان ہوئے اور یہ تینوں ...
تھے جو آنحضور کے اخلاق و خصائل سے بخوبی واقف تھے آپکی صحبت سے فیضیاب ...
تھے آپکی زندگی کا کوئی پہلو ان لوگوں سے پوشیدہ نہ تھا۔ چونکہ یہ خطرہ تھا کہ اہل عر...
اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کرینگے۔ اسلئے تبلیغ و عبادت کا کام رازداری خاموشی اور

انتہائی پردہ پوشی سے کیا جا رہا تھا۔ اب حضور نے یہ معمول کر لیا تھا کہ جو آپکے پاس آتا۔ آپ اُسے دینِ حق کی تلقین کرتے۔ لوگ سنتے۔ کلام الٰہی سنکر مرعوب ہو جاتے اور انکے قلوب حق و صداقت کیطرف کھنچنے لگتے۔ لیکن دفعتاً آبائی مذہب کو چھوڑنا ہنسی کھیل نہ تھا۔ اسلئے سوچنے اور غور کرنیکی مہلت لیکر رخصت ہو جاتے لیکن اسطرح جو بات چھپائی جاتی تھی۔ جسکی رازداری کیجاتی تھی وہ راز نہ رہ سکی۔ بلکہ سب پر ظاہر ہو گئی۔ سارے مکہ میں چرچا ہونے لگا۔ کفار مکہ میں جوش و غضب کے آثار ظاہر ہوئے۔ انھوں نے علی الاعلان کہدیا کہ جو کوئی ہمارے معبودوں کی بُرائی کریگا ہم اُسے سخت سے سخت سزا دینگے۔ حضور نے انکے اس اعلان کو سُنا۔ اگرچہ آپ جانتے تھے کہ ہم تنہا ہیں کمزور ہیں۔ اہل مکہ کا مقابلہ کسی طرح بھی نہ کر سکیں گے۔ مگر آپ نہ ڈرے۔ نہ گھبرائے بلکہ بدستور تبلیغ کرتے رہے یہ ایسی جسارت ایسی دلیری ایسی جراٴت تھی جسکی مثال تاریخی دنیا میں نہیں ملتی۔ ایک تنہا شخص کا ساری قوم تمام ملک کے مقابلہ میں کھڑے ہو جانا بڑے دل گردہ کی بات تھی۔ پھر کس حالت میں کہ ...... نہ آپکے ہاتھ میں تلوار تھی اور نہ تلوار میں قوت تھی کہ آپ لوگوں کو ڈرا دھمکا سکیں۔ نہ اسقدر جمعیت تھی کہ قوم آپکی جمعیت سے مرعوب ہو جاتی نہ حکومت تھی جس سے لوگ دب جاتے نہ زر تھا جس سے کوئی لالچ میں آجاتے الغرض کچھ نہ تھا۔

ہاں اگر کچھ تھا۔ تو خدا پر اعتماد تھا۔ اسی اعتماد کی بدولت بےنظیر عزم و استقلال تھا بےمثال جراٴت و ہمت تھی۔ چنانچہ آپ خدا کے بھروسہ پر تبلیغ کا کام کرتے رہے مگر علانیہ نہیں مخفی طور پر۔ جو آپکے پاس آتا خواہ وہ مکہ کا باشندہ ہوتا یا مکہ سے باہر کا۔ آپ اسکے سامنے کلام اللہ کی آیات پڑھ دیتے احکام خداوندی بیان کرتے۔ ابتداء میں آپ کی تبلیغ کا یہی طریقہ رہا۔ اس سے اسلام اور مسلمانوں کا ذکر مکہ میں گھر گھر ہونے لگا۔

دسواں باب

پرملال لڑکیاں

اب جمیلہ کو اچھی طرح ہوش آگیا تھا۔ کچھ دیر تو وہ اپنی ماں کے گلے میں باہیں ڈالے اس سے لپٹی رہی۔ سلمیٰ بھی اسے سینہ سے لگائے رہی اگرچہ اب جمیلہ اسکے پاس تھی اور وہ جمیلہ کے پاس لیکن اُسے یہ خیال آگیا کہ اسکی مسرت کی دنیا تاراج کردی گئی تھی اسکا چاند فنا کے ابر میں چھپا دیا گیا تھا۔ اسکی نور دیدہ جمیلہ زندہ درگور کردی گئی تھی اس خیال سے اُسکے دل کو ٹھیس لگی بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور اس کثرت سے جاری ہوئے کہ جمیلہ کے عارض گلگونہ پر ٹپکنے لگے۔ جمیلہ نے باہیں نکال کر سلمیٰ کی طرف دیکھا اس نے کہا۔ امی جان تم رو رہی ہو۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔

سلمیٰ نے اُسے زور سے بھینچتے ہوئے کہا۔ کچھ نہیں لخت جگر مجھے کچھ نہیں ہوا تیرا دل تھوڑا ہوتا ہے تو میں اب نہ روؤنگی۔ یہ کہتے ہی سلمیٰ نے جمیلہ کو چھوڑ دیا اور دوپٹہ کے آنچل سے آنسو خشک کئے۔ اب جمیلہ اٹھکر بیٹھ گئی۔ اسکے کپڑوں۔ سر کے بالوں اور تمام جسم پر ریت کی تہ جمی ہوئی تھی۔ سلمیٰ نے اسکے کپڑوں کو جھٹکا بالوں پر ہاتھ پھیرا مگر ریت کپڑوں پر سے تو اتر گیا مگر بالوں اور گورے گورے گالوں پر جما رہ گیا۔ اسکے سر کے بال بھویں اور پلکیں ریت آلود تھیں۔ جمیلہ نے سلمیٰ سے دریافت کیا میرے ابا جان کہاں ہیں؟ سلمیٰ نے کہا۔ تو ان وحشی اور درندہ انسانوں کو

کیوں پوچھتی ہے جمیلہ۔ جمیلہ نے کہا اسلئے کہ وہ میرے ابا ہیں۔

سلمیٰ۔ ہاں وہ تیرا بے رحم باپ ہے تجھے زندہ دفن کر گیا تھا۔

جمیلہ۔ مجھے کیوں انھوں نے گڑھے میں دھکا دیدیا تھا۔ امی جان۔ کیا انہیں مجھ سے محبت نہیں رہی۔

سلمیٰ۔ بیٹی عرب بُرا ملک ہے۔ یہاں لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا ہے بہت کم خوش نصیب لڑکیاں زندہ رکھی جاتی ہیں۔ نہ معلوم کب یہ دختر کشی کی رسم عرب سے دُور ہوگی۔ آہ...... کتنی خوبصورت اور صغیر سن بچیاں زندہ دفن کر دی گئی ہیں!۔

جمیلہ۔ مگر میں تو ابا کے پاس جاؤں گی۔

قدرتی طور پر لڑکیوں کو باپ سے زیادہ محبت ہوتی ہے وہ اپنے آرام پر باپ کی راحت کو ترجیح دیتی ہیں۔ شریف بچیاں اپنے باپ کی اطاعت گذار اور فرمانبردار ہوتی ہیں۔ باپ خواہ کتنا ہی لڑکیوں کو ستائے۔ کتنا ہی ان پر سختیاں کرے کتنا ہی تنگ رکھے پھر بھی وہ بے زبان جانور کیطرح اسکو دیکھتی ہیں۔ اس سے محبت کرتی ہیں اسکے آرام و راحت کا خیال رکھتی ہیں۔ سلمیٰ نے کہا۔ کیا تجھے اب بھی اپنے باپ سے محبت ہے؟

جمیلہ۔ ہاں امی جان آؤ انکے پاس چلیں جب وہ مجھے دیکھیں گے خوش ہونگے سلمیٰ نے کہا خوش ہونگے یا مجھے اور تجھے دونوں کو قتل کر ڈالیں گے یا مجھ کو بھی۔ تو اس بات کو نہیں سمجھی۔ سلمیٰ جانتی تھی کہ جمیلہ بچی ہے اسمیں بچوں کی سی ضد ہے وہ ضرور اپنے باپ کے پاس جانیکی ضد کریگی۔ اسلئے اس نے طفل تسلی کیلئے کہا۔

چلیں گے جمیلہ مگر ابھی نہیں"!

جمیلہ نے بھولے پن سے سلمیٰ کو دیکھکر دریافت کیا اور کب! سلمیٰ نے جواب دیا جب تیرے ابا ہمیں لینے آ جائینگے جمیلہ نے حیرت سے چاروں طرف دیکھکر استفسار کیا ہم کہاں آ گئے امی جان؟ یہ ہمارا شہر تو نہیں ہے یہ تو باغ ہے۔

سلمیٰ نے کہا۔ ہاں باغ ہے میری بچی! جب تیرا باپ تجھے گڑھے میں دھکا دیکر اور تیرے اوپر ریت ڈال کر چلا گیا۔ تو میں رات کو تیری قبر پہ گئی۔ ایک شریف انسان نے تجھے گڑھے سے نکالا اور مجھے اور تجھے یہاں لایا اب ہم اسکے مہمان ہیں۔

جمیلہ اگرچہ دس سالہ بچی تھی مگر کچھ نہ کچھ سمجھ کا مادہ تھا۔ اس نے پوچھا وہ شریف انسان کہاں ہے؟ سلمیٰ کچھ جواب دینے ہی والی تھی کہ سامنے سے حارثہ آگیا۔ اس نے حارثہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ جمیلہ وہ شریف انسان یہ ہے۔

حارثہ ان دونوں کے قریب آکر بیٹھ گیا اس نے جمیلہ کیطرف دیکھکر کہا۔ میں شریف انسان نہ تھا۔ بیٹی! میں وحشی درندہ تھا۔ خود غرض بدمعاش تھا۔ بیرحم ڈاکو تھا مگر تیری شریف ماں نے مجھے چند ہی لمحوں میں شریف بنا دیا میں اسکا مشکور ہوں

سلمیٰ نے کچھ کہنا چاہا۔ حارثہ نے اُس کے منہ پہ ہاتھ رکھکر کہا مجھے کہہ لینے دو سلمیٰ! اعتراف جرم کرنے سے طبیعت کو سکون ہو جاتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم میری تعریف کرنا چاہتی ہو۔ لیکن کیا حقیقت میں میں تعریف کے قابل ہوں۔

آہ نہیں میں وہ ہوں۔ جسے معبودوں کی طرف سے۔ حضرت ہبل[1] کی سرکار سے۔ مقدس لات[1] کے دربار سے سخت سزا ملنا چاہیئے۔ .... ان ہاتھوں نے

---

[1] دسے ہبل ولات بتوں کے نام ہیں۔ جنکو عرب پوجا کرتے تھے۔ صادق۔ صدیقی۔ سردھنوی۔

ان بیرحم ہاتھوں نے نہ معلوم کتنے خون کیئے ہیں۔ کتنی معصوم لڑکیوں کے گلے گھونٹے ہیں ایک ایسا شخص جو بیرحم ہو۔ جلاد ہو۔ شریف کہلانے کا مستحق ہے۔ کبھی نہیں۔ ہرگز نہیں ... شریف تو ہے۔ نیک تو ہے۔ تو نے مجھے شریف اور نیک بننے کی تلقین کی۔ اب میں ضرور شریف اور نیک بننے کی کوشش کرونگا ... سلمٰی اٹھو جمیلہ کے کپڑے اتار کر اُسے غسل کراؤ۔ آج سے جمیلہ میری بیٹی ہے۔ منہ بولی بیٹی میں اپنی اس بیٹی کے راحت و آرام کیلئے اپنی جان تک نثار کردوں گا۔ سلمٰی اسکے ان خیالات کو سنکر کمال خوش ہوئی۔ اس نے انتہائی مشکورانہ نظروں سے اُسے دیکھا۔ کچھ کہنا چاہا مگر شریف انسان کے سوائے اور کوئی لفظ اسکی زبان سے نہ نکلا۔ وہ لجۂ تشکر و امتنان میں غرق ہو کر رہ گئی۔

حارثہ پانی لینے چلا گیا۔ سلمٰی نے جمیلہ کی چوٹی کھولی۔ حارثہ پانی لایا اور مشکیزہ رکھکر چلا گیا۔ سلمٰی نے جمیلہ کے کپڑے اتارے اور کھجوروں کے چھوٹے چھوٹے درختوں کے جھنڈ میں لے جاکر اُسے غسل کرایا اور اسکے بعد کپڑے پہنائے۔ اب آفتاب طلوع ہو گیا تھا۔ دھوپ ریگ زار پر پھیلنے لگی تھی۔ جو لوگ خیموں کے سامنے یا خیموں کے اندر گھسے ہوئے سو رہے تھے اٹھ اٹھکر ضروریات سے فارغ ہونے کے لیئے چلے گئے تھے۔ ان لوگوں میں عورتیں بھی تھیں بچے بھی مرد بھی لڑکے اور لڑکیاں بھی۔

یہ سب ایک ہی قبیلہ کے لوگ تھے۔ یہ قبیلہ کبھی ایک جگہ جم کر نہ رہتا تھا شہر میں رہنا تو سخت ہی بُرا سمجھتا تھا۔ خانہ بدوش تھا جب تک جہاں جی چاہتا رہتا! اور طبیعت اس جگہ سے سیر ہو جاتی تو کسی اور طرف نکل جاتا۔

عرب میں اکثر قبائل اس قسم کی زندگی گذارتے تھے۔ اس طرح رہنے سے وہ جفاکش اور دلیر بن گئے تھے۔ اس قبیلہ کی عورتیں تک کمال دلیر اور نڈر تھیں جب مرد ضروریات کی چیزیں خریدنے کسی آبادی میں چلے جاتے تو صرف عورتیں خیموں پر رہ جاتی۔ لق ودق میدان میں ریگ زار کے تودوں میں۔ جنگل بیابان میں نہایت اطمینان اور بیفکری سے رہتیں۔ کسی قسم کا خوف وخدشہ نہ کرتیں!

تھوڑی دیر کے بعد سب لوگ ضروریات سے فارغ ہو کر آگئے۔ سب ایک جگہ جمع ہوئے۔ جمع ہو کر ایک خیمہ پر پہنچے۔ خیمہ کے اندر ایک بڑا بت رکھا تھا۔ سب نے بت کو سجدہ کیا اور واپس لوٹ آئے۔

یہ سب ایک بڈھے شخص کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ اگرچہ بڈھے کے سر اور ڈاڑھی کے بال برف کی طرح سفید تھے مگر قویٰ مضبوط تھے۔ اس کا نام عدی تھا۔ یہ اس قبیلہ کا سردار تھا۔ حارثہ نے عدی کے پاس جاکر جمیلہ اور سلمیٰ کی تمام داستان کہہ سنائی۔ عدی کے ساتھ تمام لوگوں نے سنا۔ عدی نے کہا تم نے اچھا نہ کیا۔ حارثہ اگر مکہ والوں کو یہ حال معلوم ہوگیا تو وہ ہم پر چڑھکر دوڑینگے اور پھر ہم ان کا مقابلہ کیسے کرسکیں گے۔ حارثہ نے کہا۔ یہ سچ ہے۔ مگر ان دونوں کو اپنی پناہ میں لے چکا ہوں۔

عدی۔ جب تو اب کچھ کہنے سننے کی گنجائش نہیں رہی۔ جب تم نے ان دونوں کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ زبان دیدی ہے تو ہم سب نے بھی پناہ میں لے لیا اب ہمارا۔ ہمارے لوگوں کا۔ ہمارے قبیلہ کا کچھ بھی حشر ہو۔ ہم زندگی کے آخری سانس تک ان کی حفاظت کریں گے۔

عدی نے سب سے مخاطب ہو کر کہا۔ بولو! میرے بچو! کیا تم سب سلمٰی اور اسکی بیٹی جمیلہ کی حفاظت کرو گے؟ سب نے کہا۔ کرینگے! ہمارے ایک بھائی نے انھیں اپنی پناہ میں لے لیا ہے سب انکی حفاظت کریں گے اور زندگی کے آخری دم تک حفاظت کرینگے! عدی نے کہا۔ جاؤ حارثہ! سلمٰی کو یہ خوشخبری سنادو۔ اس کے اخراجات کا کفیل میں رہوں گا۔

حارثہ نے مشکورانہ نظروں سے عدی کو دیکھکر تعظیم کیلئے سامنے سر جھکا کر کہا۔ میرے حضور ان دونوں کی کفالت کا بار میں اپنے ذمہ لینا چاہتا ہوں۔ عدی نے کہا یہ تو بڑی خفت کی بات ہے میرے لئے حارثہ! دوسرے قبائل سنکر کہیں گے حارثہ نے کہا۔ وہ تو حضور کی تعریف کرینگے کہینگے ایک ادنیٰ آدمی کی درخواست قبیلہ کے سردار نے منظور کر لی۔

عدی۔ اچھا مجھے یہ منظور ہے"!

حارثہ وہاں سے چلا آیا۔ اُس نے تمام روئداد سلمٰی سے کہہ دی سلمٰی کو اس سے بڑی مسرت ہوئی۔ عرب میں یہ قاعدہ تھا کہ جب کسی شخص کو اپنی پناہ میں لے لیتے تھے تو اسکی حفاظت فرض سمجھتے تھے۔ زندگی کے آخری دم تک اسکی حفاظت کرتے تھے۔ کیسا ہی زبردست دشمن ان پر حملہ آور ہو کر اُسے واپس لینا کیوں نہ چاہے وہ اسوقت تک واپس نہ کرتے جب تک کہ اس قبیلہ کا ایک آدمی بھی زندہ رہتا۔ اسی طرح سلمٰی معہ جمیلہ کے عدی کی حفاظت میں حارثہ کے پاس رہنے لگی۔ حارثہ کی بیوی موجود تھیں۔ اسکی بیوی نے سلمٰی اور جمیلہ کو بڑی مسرت سے خوش آمدید کہا۔ نہایت محبت اور ہمدردی سے پیش آئیں اور دونوں ماں بیٹی

حارثہ کے پاس رہنے لگیں۔

حارثہ اون کی تجارت بھی کرتا تھا۔ اسکے پاس بھیڑوں اور بکریوں کے گلّے تھے اسکی بیوی ان گلّوں کو چرایا کرتی تھی اور اُون کاتا کرتی تھی۔ سلمٰی نے یہ بُرا سمجھا کہ وہ خالی بیٹھی رہے اور اسکی میزبانہ کام کرے۔ اس نے دوسرے ہی دن سے اُون کاتنا شروع کر دیا۔ ہرچند حارثہ اور اسکی بیوی نے منع کیا لیکن اس نے نہ ماننا تھا نہ مانا۔ اب سُعدیٰ کا کام صرف گلّوں کو چرانے کا رہ گیا کچھ دنوں کے بعد سلمٰی نے جمیلہ کو سُعدیٰ کے ساتھ گلّے چرانے کو بھیجنا شروع کیا۔ جب وہ اس کام سے واقف ہو گئی تو تنہا جمیلہ ہی جانے لگی اور سُعدیٰ کھانا پکانے کا کام کرنے لگی جمیلہ کو حارثہ نے نیزہ بازی اور شمشیر زنی کی تعلیم دیکر اُسے خوب ماہر کر دیا اس قبیلہ کی تمام عورتیں اور اس قبیلہ ہی کی کیا تمام قبائل اور سارے عرب کی عورتیں نیزہ بازی اور شمشیر زنی کی تعلیم باقاعدہ حاصل کرتی تھیں۔

جمیلہ علی الصباح نیزہ ہاتھ میں لیکر بھیڑوں اور بکریوں کو ہانک لیجاتی اور تمام دن ریگ زار میں انھیں لئے پھرتی۔ اس نواح میں ہر طرف یا تو ریت کے پہاڑ تھے یا حدِّ نگاہ تک ریگ زار کا سمندر تھا۔

سبزہ کا نشان بھی نہ تھا۔ بھیڑ اور بکریاں ریت میں پڑے ہوئے سنگریزے کھاتی تھیں۔ پانی شام کو نخلستان میں آکر پیتی تھیں۔ آفتاب کی تمازت سے بچنے کیلئے جمیلہ ریت کے پہاڑوں کے دامن میں خود بھی بیٹھ جاتی اور بھیڑوں بکریوں کو بھی بٹھا دیتی۔

کچھ حارثہ کے پاس بھیڑیں اور بکریاں نہ تھیں۔ بلکہ قریب قریب تمام قبیلے

والوں کے پاس تھیں۔ سب سے زیادہ عدی کے پاس تھیں۔ اسکی بیٹی رقیہ بھی بکریاں چرایا کرتی تھی۔ لیکن سب الگ الگ جایا کرتی تھیں اور شام کو واپس آجایا کرتی تھیں۔ رقیہ اور جمیلہ میں تھوڑی سی چھوٹ بڑائی تھی۔ رقیہ شاید جمیلہ سے دو سال بڑی تھی۔ دونوں میں بیحد محبت ہوگئی تھی۔ اب وہ دونوں ساتھ ہی ساتھ جانے لگی تھیں۔

عرصہ اسی طرح گذر گیا۔ تقریباً تین سال کوئی نیا واقعہ ظہور پذیر نہ ہوا۔ ایک روز تمام مرد ضروریات کی چیزیں خریدنے صبح سویرے ہی چلے گئے۔ خیموں میں صرف عورتیں اور بچے ہی رہ گئے۔ لڑکیاں گلوں کو چرانے چلی گئیں۔ جمیلہ اور رقیہ مشرقی جانب روانہ ہوئیں تقریباً ایک میل چلکر وہ ایک بہت اونچے ریت کے پہاڑ پر چڑھ گئیں۔ ریت پر چڑھنا آسان نہیں ہوتا۔ قدم پھسلا کرتے ہیں مگر ان دونوں کی عادت تھی بے تکلف اوپر چڑھ گئیں۔

بھیڑیں اور بکریاں ان سے ایسی مانوس ہوگئی تھیں کہ جس طرف وہ جاتیں ادھر ہی وہ بھی چلنے لگتیں۔ انکے پیچھے ہی پیچھے وہ بھی پہنچ گئیں۔

ابھی آفتاب اچھی طرح بلند نہ ہوا تھا اور ریت کے تمام تودوں پر دھوپ پھیل رہی تھی۔ مگر شعاعیں تیز اور تر چھی ہونے کی وجہ سے دھوپ میں گرمی نہ آئی تھی۔ ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔ ابھی وہ بھی گرم نہ تھے جگہ خوشگوار تھی دونوں کمبل بچھا کر بیٹھ گئیں۔ نیزے اپنے پاس رکھ لیے۔ اب جمیلہ بچی نہ رہی تھی۔ اس کا شباب انگڑائیاں لینے لگا تھا۔ دل میں جذبات جوانی کی لہریں اٹھنے لگی تھیں وہ خوبصورت تھی۔ شباب نے اس کے حسن وجمال کو نکھار کر

اُسے پرجمال بنا دیا تھا۔ آنکھیں جنمیں معصومیت لوٹ رہی تھی تیر برسانے لگی تھیں رخسار سے شعلہ جوالہ بن گئے تھے وہ پیکر حسن یا خوبصورتی کی تصویر بن گئی تھی۔

بچپنے کی شوخی دور ہو چکی تھی۔ شباب کی سنجیدگی آچکی تھی۔ رقیہ بھی خوبصورت تھی۔ مگر جمیلہ جیسی نہ تھی۔ جمیلہ اگر چاند تھی۔ تو وہ چاند کا ٹکڑا۔

دونوں خاموش بیٹھی دیکھتی رہیں۔ ان کے سامنے چھوٹے چھوٹے ریت کے سینکڑوں ٹیلے تھے۔ ٹیلے کے اُس طرف ریت کا میدان تھا دھوپ ٹیلوں اور میدان کے ریت کو جگمگا رہی تھی۔

جب شعاعیں سیدھی ہو گئیں اور دھوپ میں تمازت آگئی تو دونوں اٹھیں دونوں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ غرب کی جانب سے غبار اٹھتا ہوا نظر آیا۔ دونوں حیرت سے غبار کیطرف دیکھنے لگیں۔ غبار بڑھتا آرہا تھا۔ رقیہ نے کہا جمیلہ چلو۔ جلدی چلو۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی قبیلہ ہمارے قبیلہ پر تاخت کرنا چاہتا ہے۔

جمیلہ نے کہا ٹھیرو! رقیہ پریشان نہ ہو۔ ممکن ہے کوئی قافلہ ہی ہو۔

رقیہ نے جلدی سے کہا۔ قافلہ غیر ممکن ہے۔ قافلہ اس تیزی سے نہیں آیا کرتا۔ دیکھتی ہو غبار کس تیزی سے بڑھتا آرہا ہے۔

غبار نہایت تیزی سے بڑھتا آرہا تھا۔ پہلے وہ اُفق میں اٹھتا نظر آیا تھا اب بڑھکر بہت قریب آگیا تھا۔ جمیلہ نے کہا۔ تم نے سچ کہا رقیہ آؤ جلدی چلیں اور اپنے قبیلہ کی امداد کریں۔

دونوں نے ٹیلہ سے جلدی جلدی اُترنا شروع کیا۔ یہ ٹیلہ نہایت بلند تھا۔

جس طرح اس پر چڑھنا مشکل تھا اسی طرح اُترنا دشوار تھا چونکہ ریت پھیلا کرتا ہے اسلئے ذراسی غلطی سے یہ دونوں پھسل کر نیچے گر سکتی تھیں۔

وہ آہستہ آہستہ اُتر رہی تھیں ابھی انھوں نے نصف فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ غبار کا دامن چاک ہو گیا۔ کچھ عرب سوار گھوڑے دوڑائے نخلستان کیطرف جھپٹتے نظر آئے۔ رقیہ نے انھیں دیکھتے ہی کہا۔ جلدی چلو جمیلہ جلدی چلو۔ یہ کہتے ہوئے رقیہ تیزی سے اترنے لگی جمیلہ نے منع بھی کیا مگر یا تو اس نے سُنا نہیں اور یا پرواہ نہیں کی۔ اسکے پھول سے گلابی رخسارے زرد سے ہو رہے تھے وہ تیزی سے اُتر رہی تھی۔ لیکن چند قدم ہی تیز چلی تھی کہ پھسل گئی۔ جمیلہ نے جھک کر اُسے پکڑنا چاہا۔ لیکن نہ پکڑ سکی۔ رقیہ گر پڑی۔ چونکہ ڈھال نہ تھا ٹیلہ سیدھا تھا اسلئے گرتے ہی لڑھکنے لگی جمیلہ کو اسکے گرنے سے افسوس ہوا۔ وہ افسوس بھری نظروں سے اُسے لڑھکتا ہوا دیکھتے اور آہستہ آہستہ اُترنے لگی:۔

گیارھواں باب

تبلیغ عام

آنحضور صلعم نے چپکے چپکے تبلیغ شروع کی تھی۔ لیکن چونکہ حضور ہر شخص کے سامنے جو آپکے پاس آتا۔ احکامِ خداوندی بیان فرماتے۔ خدا کو کائنات کا

واحد خالق بتاتے۔ لوگ سنتے جواب دینے کی جرأت نہ ہوتی البتہ اپنے گھروں اور محلوں میں جا جا کر اس نئے مذہب کا تذکرہ کرتے حضور کا نئے مذہب کا تمسخر اُڑاتے اس طرح اور مسلمانوں کا ذکر گھر گھر ہونے لگا۔

لوگ اسلام کا چرچا سن کر حیران بھی ہوتے غضبناک ہو کر دانت بھی پیستے لیکن یہ پتہ نہ چلتا تھا کہ کون کون مسلمان ہو گئے ہیں اسلئے چپ رہ جاتے حضور نے ابھی تک علانیہ تبلیغ شروع نہ کی تھی۔ اسلئے کسی کو ان پر سختی کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔

حضرت ابوبکر کا اثر و رسوخ تمام قبائل میں تھا آپ نے مسلمان ہو کر اپنے تمام کام چھوڑ دیئے۔ صرف تبلیغ اسلام کا کام کرنے لگے تھے۔ جو شخص آپ کے پاس آتا۔ یا آپ جس شخص کے پاس جاتے۔ اسکے سامنے اسلام کی خوبیاں خدا کی حمد معبود حقیقی کی صفت و ثنا بیان کرتے۔ لوگ سنتے اسلام کی طرف جھکتے بعض مسلمان بھی ہو جاتے۔

چنانچہ آپ کی سعی جمیلہ سے حضرت عثمانؓ بن عفان حضرت طلحہ بن عبید اللہ حضرت سعد بن وقاص (حضرت محمد کے ماموں فاتح ایران[1]) حضرت عبدالرحمن بن عوف حضرت زبیر بن العوام ایمان لائے۔ ان ہستیوں میں صرف حضرت عثمان متمول اور ذی جاہ تھے وہ اس قدر مالدار تھے کہ عوام انھیں "غنی" کہا کرتے تھے چنانچہ آپ بعد میں حضرت عثمان غنی کے نام سے مشہور تھے۔ باقی لوگ معمولی حیثیت کے تھے البتہ ایک جوہر سب میں تھا اور وہ بےنظیر دلیری اور بےمثال جرأت و ہمت تھی لیکن وہ

[1] ایران جیسی عظیم الشان سلطنت کی فتح کا مفصل حال ہمارے مشہور ناول "ایران کی حسینہ" میں ملاحظہ کیجئے۔

دلیری اور جرأت و ہمت عربستان کے تمام عربوں میں تھی۔ ہر شخص جری اور پرلے درجے کا شجاع تھا۔

اب ان سب لوگوں نے بھی ملکر تبلیغ کا کام شروع کیا لیکن چونکہ اہل مکہ کی طرف سے خدشہ تھا اسلئے تبلیغ اب بھی خموشی اور رازداری کے ساتھ کی جا رہی تھی۔ ان تمام لوگوں کی مساعی جمیلہ اور آنحضور کی ان تھک کوششوں سے اسلام آہستہ آہستہ پھیلنے لگا۔

چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح۔ حضرت ابو سلمہؓ۔ عبدالاسد بن ہلال حضرت عثمانؓ بن مظعون حضرت قدامہؓ بن مظعون۔ حضرت سعید بن زید۔ حضرت عمرؓ کے بہنوئی، حضرت فاطمہؓ ہمشیرہ حضرت عمرؓ بن خطاب۔ حضرت سعیدؓ بن زید کی بیوی مسلمان ہو گئے۔ رفتہ رفتہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ یہ سب لوگ اہل مکہ سے ڈرتے تھے۔ ساری قوم کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار نہ تھے اسلئے اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے۔ نماز چھپکر پڑھتے تھے یا تو اپنے گھروں کے حجروں میں گھس کر نماز ادا کرتے تھے یا پہاڑوں کے دروں اور غاروں میں جا کر نماز پڑھتے تھے۔

چونکہ ہر شخص اپنے مسلمان ہونے کو چھپاتا تھا۔ اسلئے مسلمانوں کو بھی معلوم نہ تھا کہ کون کون سے لوگ مسلمان ہو چکے ہیں۔

کچھ عرصہ کے بعد حضرت عمیرؓ حضرت سعد بن وقاص کے بھائی۔ حضرت

ؓ حضرت ابو عبیدہ نہایت تجربہ کار تھے۔ حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں وہ ملک شام میں سپہ سالار بنائے گئے تمام ملک شام پر انھوں نے قبضہ کر لیا تھا انکے کارنامے ہمارے ناولوں فتح یرموک، فتح حلب و فتح انطاکیہ میں ملاحظہ کرو۔

عبداللہ بن مسعود حضرت عمار بن یاسر حضرت سمیہؓ حضرت عمارہ کی والدہ حضرت یاسر۔ حضرت صہیبؓ رومی حضرت بلالؓ (جو موذن کے لقب سے مشہور ہیں) حضرت خباب بن الارث حضرت ابو فکیہہؓ حضرت لبینہؓ۔ حضرت زنیرہ حضرت نہدیہ۔ حضرت ام عبیسؓ بھی مسلمان ہو گئے۔

جو لوگ اب تک مسلمان ہوئے وہ از روئے شرافت تو بڑے ہوئے تھے مالدار بالکل نہ تھے بلکہ اکثر تو غلام اور کنیزیں تھیں۔

چنانچہ حضرت خبابؓ ام انمار کے غلام تھے۔ حضرت بلالؓ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ حضرت صہیبؓ عبداللہ بن جدعان کے غلام تھے حضرت یاسر حضرت عمارؓ ابو حذیفہ کے پروردہ تھے حضرت ابو فکیہہ صفوان بن امیہ کے غلام تھے حضرت لبینہؓ حضرت عمرؓ کی کنیز تھیں حضرت زنیرہ بھی حضرت عمرؓ کے گھرانے کی کنیز تھیں حضرت نہدیہ اور حضرت ام عبیس بھی کنیزیں تھیں۔

یہ سب لوگ ایسے تھے کہ انھیں اہل مکہ کے مقابلہ میں آنے یا اپنا اسلام ظاہر کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی قسمت نے یا قدرت نے انھیں مفلس یا غلام بنا رکھا تھا۔ تلوار اٹھانیکی قدرت تو بجائے خود رہی اُف تک نہ کر سکتے تھے۔

مسلمان ہو گئے تھے لیکن اسلام کو چھپائے ہوئے تھے نماز چھپ کر پڑھتے تھے چونکہ اسوقت نماز جماعت سے نہ پڑھی جاتی تھی۔ اسلئے جس شخص کو جب اور جہاں موقعہ ملتا نماز پڑھتا۔

آنحضور صلعم اکثر پہاڑوں اور دروں میں جاکر نماز پڑھا کرتے تھے کبھی کبھی حضرت علیؓ کو بھی ہمراہ لے جاتے تھے اور اپنے ساتھ نماز پڑھاتے تھے

ایک دن حضور حضرت علیؓ کو ساتھ لیکر ایک درّہ میں پہنچے نماز کا وقت ہو گیا تھا دونوں نماز پڑھنے لگے۔ اتفاق سے آپ کے چچا ابو طالب ادھر آنکلے ابو طالب کے ساتھ حضرت جعفرؓ حضرت علی کے بھائی تھے۔ دونوں قریب کھڑے ہو کر حیرت بھری نظروں سے آنحضور صلعم اور حضرت علیؓ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھنے لگے۔ کچھ دیر کے بعد ابو طالب نے حضرت جعفر سے کہا ہبل کی قسم جس طریقہ پر محمدؐ نماز پڑھ رہے ہیں بڑا ہی دلفریب طریقہ ہے۔ جعفر تو بھی اپنے چچازاد بھائی محمدؐ کے بازو پر کھڑا ہو جا۔

فوراً حضرت جعفر دوسری طرف کھڑے ہو گئے۔ اگرچہ وہ نماز پڑھنا نہ جانتے تھے لیکن آنحضور کی اقتداء کرنے لگے۔ جب حضور نماز سے فارغ ہوئے تو جعفر کو دیکھا۔ آپ نے فرمایا جعفر تو مسلمان ہو جا۔ حضرت جعفر نے بلا چون و چرا اسلام قبول کر لیا۔ حضور نے دعا دی کہ جعفرؓ تجھے اللہ تعالیٰ جنت میں دو بازو عطا کرے جن سے تو فردوس میں پرواز کرے۔ اسی روز سے آپ کا نام جعفر طیار مشہور ہو گیا۔

جب آپ نماز پڑھکر اٹھے تو آپ نے ابو طالب کو کھڑے دیکھا۔ آپ نے اپنے چچا کو سلام کیا۔ ابو طالب نے دریافت کیا۔ قرۃ العین! یہ تم کیا کر رہے تھے

آنحضور صلعم نے جواب دیا۔ عم میں نماز پڑھ رہا تھا۔

ابو طالب نے حیران ہو کر کہا۔ نماز پڑھ رہے تھے ....

.... لیکن تمہارے سامنے کوئی خدا (بت) تو تھا ہی نہیں؟

آنحضور صلعم۔ میں بتوں کو سامنے رکھکر نماز نہیں پڑھتا۔

ابو طالب - پھر کس کی نماز پڑھ رہے تھے۔

آنحضور صلعم - اس خدا کی جو خالق عز وکل ہے جسکی نگاہ کے سامنے کائنات کا ذرّہ ذرّہ ہے جس سے انسان کا کوئی فعل پوشیدہ نہیں ہے جسکے سامنے دنیا کا جبّار و قہار بادشاہ بھی کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

ابو طالب - نماز کا طریقہ تم نے کس سے سیکھا ہے؟

آنحضور صلعم - جبرئیل فرشتہ سے۔ یا عم آپکو بحیرا راہب کا واقعہ یاد ہے

ابو طالب - ہاں یاد ہے۔

آنحضور صلعم - مجھ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا ہے۔ خدا نے مجھے محمد الرسول اللہ یعنی خدا کا رسول کا خطاب دیا ہے۔ میں خدا کا پیغامبر ہوں۔

ابو طالب - تم پر کیا پیغام نازل ہوا۔

آنحضور نے قرآن شریف کی تلاوت شروع کی الحمد للہ الذی خلق السموات

ف حضرت محمد صلعم کی عمر جب بارہ برس کی تھی تو ابو طالب ایک تجارتی قافلہ کے ہمراہ کچھ تجارت کا مال لیکر ملک شام کی طرف روانہ ہوئے۔ چونکہ حضور ابو طالب کی کفالت میں رہتے تھے اسلئے آپ بھی انکے ساتھ گئے۔ ملک شام کے جنوبی حصے میں ایک مقام بصریٰ ہے جب قافلہ وہاں پہنچا تو ایک عیسائی راہب نے جو بڈھا تھا اور عرصہ سے وہاں رہتا تھا اور جسکا نام بحیرا تھا آپکو دیکھا۔ نہایت غور سے دیکھا۔ وہ ابو طالب کے پاس آیا اور کہا۔ شاید آپکے صاحبزادہ ہیں! ابو طالب نے کہا نہیں بھتیجا ہے۔ بحیرا نے کہا خیر کچھ ہوں سنو تمہارا یہ بھتیجا مبعوث ہونیوالا ہے اس میں وہ تمام علامات موجود ہیں جو نبی الزمان کے متعلق توریت اور انجیل میں لکھی ہیں۔ انھیں یہودیوں اور مشرکوں سے اندیشہ ہے تم انھیں واپس مکہ لیجاؤ۔ ابو طالب نے بصریٰ ہی میں اپنا مال فروخت کر دیا جو بڑے منافع سے بکا اور وہیں سے واپس لوٹ کر مکہ چلے آئے +

صادق و صدیقی سرد ہنوی

والارض وجعل الظلمت والنور ثم الذین کفروا بربھم یعدلون ۵

الخ یعنے قابل تعریف وہی خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے

اندھیرے اور اُجالے کو پیدا کیا ہے۔ پھر کافر کس کو بُرا کہتے ہیں ؟ (کیا خدا کو جو

پروردگار عالم ہے) وہی جس نے تمہیں غلیظ قطرہ سے پیدا کیا۔ اس نے ہی

موت کا وقت ٹھیرایا اور مدت اُسکی مقرر ہوئی ہے اس پر بھی تم شک کرتے ہو

اور اللہ ہی ہے بیچ آسمان اور زمین کے وہ آہستہ بولنے اور پکار کر بولنے

کو جانتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

ابوطالب سن رہے تھے ان کا دل مرعوب ہوتا چلا جارہا ہے۔ بدن میں لرزہ

پڑ گیا تھا جب آنحضور صلعم خاموش ہوئے تو ابوطالب نے دریافت کیا۔ یہ مذہب کونسا ہے

آنحضور صلعم نے جوابدیا۔ یہ ملت ابراہیم ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سمٰکم المسلمین یعنے (یہ مذہب تمہارے

باپ ابراہیم کا دین ہے۔ اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا۔

ابوطالب۔ فرزند! یہ مذہب خوب مذہب ہے۔ عبادت الٰہی کا طریقہ بھی

بہت اچھا ہے ہمیں فخر ہے کہ ہمارے خاندان میں نبی ہوا۔ پیارے فرزند تمہارے

داداکی پیشینگوئی پوری ہوگئی کیا تم جانتے ہو کہ وہ پیشینگوئی کیا تھی ؟

آنحضور صلعم۔ نہیں یا عم۔

ابوطالب۔ میں بتاتا ہوں کہ جب تم تولد ہوئے تھے تو تمہارے دادا عبدالمطلب

نے تمہارا نام محمدؐ رکھا تھا۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ نے اپنے پوتہ کا نام نیا اور نرالا

کیوں رکھا تو آپ نے کہا تھا کہ میرا یہ پوتہ دنیا میں آفتاب بنکر چمکیگا۔ فرزند! جبکہ تجھ پر

وحی کا نزول شروع ہو گیا ہے۔ خدا نے تجھے اپنا رسول بنا لیا ہے تو یقیناً تم آفتاب حجاز نہیں آفتاب عرب غلط آفتاب عالم بنکر رہیگا۔

ابوطالب آپکے چچا تھے۔ سر پرست تھے۔ بزرگ تھے آپکو انکے سامنے لب کشائی کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ لیکن جب آپ نے ابوطالب کی گفتگو سنی تو تبلیغ کی ہمت ہوئی آپ نے فرمایا عم! آپ بھی مسلمان ہو جائیں۔

ابوطالب نے کہا۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔ تیرے ساتھ کھڑا ہو کر نماز پڑھوں۔ ان دیکھے خدا کو پوجوں۔ مگر آبائی مذہب چھوڑتے ہوئے شرم آتی ہے جب لوگ کہینگے کہ اپنے بھتیجہ کا مذہب قبول کر لیا تو کیا جواب دونگا شرم وغیرت سے کٹ کٹ کر رہ جاؤنگا۔ البتہ میں تمہاری اعانت کا وعدہ کرتا ہوں۔ میرے جیتے جی کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ میری تلوار اُسکے سر پر بلند ہوگی جو تم کو تکلیف پہنچانے کا قصد کریگا۔ ہاں علی اور جعفر کو میں نے اجازت دیدی۔ یہ دونوں تمہارے مذہب میں رہینگے۔

ابوطالب نے حضرت علی سے مخاطب ہو کر کہا بیٹا علی! تم محمد کا ساتھ نہ چھوڑنا جو مذہب تم نے اختیار کر لیا ہے۔ زندگی کے آخری سانس تک اسپر قائم رہنا۔ آنحضور صلعم نے ابوطالب کا شکریہ ادا کیا۔ ابوطالب اپنے گھر چلے گئے۔ آنحضرت علی اور جعفر کو ساتھ لیکر اپنے مکان پر آگئے۔

اب تک آنحضور صلعم کا کوئی شخص ایسا معاون نہ تھا جو آپکی حمایت پر تیار ہو جاتا۔ آج ابوطالب نے اعانت کا وعدہ کیا آپکو اس سے بڑی مسرت ہوئی چند روز کے بعد حضور کوہ صفا پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے ایک ایک

قبیلہ کا نام لے لے کر پکارنا شروع کیا۔

حضور کی آواز سنتے ہی تمام قبائل کے سردار۔ رئیس۔ امیر۔ غریب تمام آ آکر جمع ہونے لگے۔ ابولہب۔ ابوجہل۔ ولید۔ عباس۔ حمزہ سب آ گئے:۔

عرب میں یہ دستور تھا کہ جب کسی شخص کو کہنا ہوتا تو کسی بلند جگہ پر چڑھکر لوگوں کو بلاتا جب سب آجاتے۔ تو جو کچھ اُسے کہنا ہوتا کہہ دیتا۔

حضور نے بھی کوہ صفا پر چڑھکر اہل مکہ کو بلایا جب قریب قریب سب لوگ آگئے تو آپ نے دریافت کیا۔ لوگو! تم مجھے کیسا سمجھتے ہو؟ ہر طرف سے آوازیں آئیں۔ آپ امین ہیں۔ کبھی آپ نے خیانت نہیں کی۔ صادق ہیں اور کبھی آپ نے جھوٹ نہیں بولا۔

آپ نے فرمایا۔ اخبرتکم ان العدو یصبحکم او ممسکم اما کنتم یعنے (اے قریش) اگر میں تمہیں یہ خبر کردوں کہ صبح کو شام پر دشمن حملہ کرنے والا ہے۔ تو کیا مجھ کو تم سچا جانو گے؟

سب نے ایک زبان ہو کر کہا۔ بیشک سچا جانینگے کیونکہ ہم نے آپکو ہمیشہ صادق القول پایا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ اچھا تو سنو! عذاب الٰہی نزدیک آگیا ہے۔ تم خدا پر ایمان لاؤ۔ بتوں کی پرستش چھوڑ دو۔ تاکہ عذاب الٰہی سے بچ جاؤ۔

یہ سنتے ہی تمام مجمع میں شور وشغب شروع ہوگیا۔ اپنے معبودوں کے خلاف سنتے ہی کفار جھلا اُٹھے۔ بگڑ گئے۔ ابولہب بلبلا پڑا۔ اس نے کہا تجھپر ہلاکت ہو۔ کیا تو نے اسلئے ہمیں جمع کیا تھا۔

لوگ اسقدر برافروختہ ہوئے کہ آپ پر حملہ کرنے کا ارادہ کرنے لگے۔ لیکن ارادہ کرتے کرتے ہی رہ گئے اور حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

جرأت اس وجہ سے نہ ہوئی کہ حضور خاندان ہاشم سے تھے۔ خاندان ہاشم قریش کا سب سے زیادہ معزز قبیلہ تھا۔ اس قبیلہ کے فرد کو قتل کرنا آسان نہ تھا اندیشہ تھا کہ کہیں خاندان ہاشم انتقام لینے کے لئے آمادہ نہ ہو جائیں انتقام اُسی شخص یا اُسی شخص کے قبیلہ سے لیا جاتا۔ جو حملہ کرتا۔ اسلئے کسی کو جرأت نہ ہوئی اور سب پیچ و تاب کھا کھا کر رہ گئے۔

ابولہب نے بلند آواز سے کہا۔ لوگو! کچھ خیال نہ کرو۔ میرا بھتیجہ (حضرت محمدؐ) دیوانہ ہو گیا ہے۔ دیوانہ کی بات قابل اعتنا یا لائق سرزنش نہیں ہوتی۔

یہ سنکر لوگ منتشر ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک شخص بھی وہاں نہ رہا آپ بھی کوہ صفا سے اُترے اور آہستہ آہستہ اپنے مکان کی طرف روانہ ہوئے راستہ ہی میں وحی نازل ہوئی۔

بارہواں باب

"غارتگر"

رقیہ ٹیلے پر سے پھسل گئی تھی۔ اس نے رکنے سنبھلنے کھڑا ہونے کی کوشش کی لیکن ٹیلہ ڈھلوان نہ تھا سیدھا تھا۔ جوں جوں وہ رکنے اور سنبھلنے کی

کوشش کرتی - ریت اسکے نیچے سے پھسلکر اُسے روکنے اور سنبھلنے کی مہلت ہی نہ دیتا تھا - وہ لڑھکتی ہوئی نیچے کی طرف چلی جا رہی تھی -

جمیلہ افسوس بھری خوبصورت نگاہوں سے اُسے دیکھتی آہستہ آہستہ اُتر رہی تھی - اُسکے پیچھے اسکی اور رقیہ کی بھیڑیں اور بکریاں اُتر رہی تھیں - رقیہ کی بکریوں نے اُسے نیچے گرتے دیکھ لیا - چند بکریاں زقند بھرتی تیزی سے چلیں ان کے چلنے کی رفتار سے معلوم ہوتا تھا کہ رقیہ کو گرتے دیکھکر وہ بے چین ہو گئی ہیں اور اُسے سہارا دینے کے لئے لپک رہی ہیں -

ایک موٹی بکری رقیہ کے قریب پہنچی - رقیہ نے جلدی سے اسکے کان پکڑ لئے بکری ریت میں پاؤں گاڑ کر کھڑی ہو گئی - اتفاق سے یہاں ریت کی تہ ٹیلہ سے بالشت بھر آگے نکلی ہوئی تھی - ادھر رقیہ کے پاؤں اس تہ پر رک گئے ادھر بکری کا سہارا ملا وہ رک کر سنبھل کر کھڑی ہو گئی -

چونکہ وہ ریت میں پھسلتی چلی آئی تھی - اسلئے تمام کپڑے سارا بدن چاند سا چہرہ ریت سے بھر گیا - مشکبو زلفوں کی لمبی لمبی لٹیں بھی ریت میں اٹ کر سفیدی مائل ہو گئی تھی -

وہ خوبصورت تھی - حسین ہر حالت میں پیارے معلوم ہوا کرتے ہیں - رقیہ بھی ریت میں بھری ہوئی پیاری معلوم ہو رہی تھی - اسکا چاند سا چہرہ ریت کی جمی ہوئی ہلکی تہ میں بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا - جیسے چودھویں رات کا چاند زیر غبار پیارا معلوم ہوا کرتا ہے -

رقیہ نے کھڑی ہوتے ہی بکری کو نہایت پیار اور محبت سے تھپتھپایا بکری

بڑی دل سوز۔ بڑی ہمدردنگاہوں سے منہ اٹھاکر رقیہ کو دیکھ رہی تھی۔
جمیلہ بھی آہستہ آہستہ اُتر کر رقیہ کے پاس پہنچ گئی۔ اسکے نازک لبوں پر دلفریب تبسم کھیل رہا تھا۔ اُس نے کہا۔ جلد بازی کا نتیجہ دیکھا رقیہ۔
رقیہ بھی مسکرائی۔ اس نے کہا جمیلہ خیریت ہوگئی۔ میری پیاری بکری نے مجھے بچالیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
جمیلہ نے کہا ہاں بکری نے بڑی وفاداری کی لیکن اگر بکری بھی نہ آتی تب بھی کیا ہوتا کہ تم اور تھوڑی دور پھسلتی چلی جاتیں۔
رقیہ۔ ہاں اور کیا۔ لیکن میں ڈر گئی تھی۔ جمیلہ ذرا اوپر نظر اُٹھاکر تو دیکھو کتنا اونچا ریت کا پہاڑ سا ہے۔ معبودوں نے بڑی خیر کی۔
جمیلہ نے اپنا نازک سر اُٹھاکر دیکھا جس جگہ یہ دونوں کھڑی تھیں یہاں سے ریت کے پہاڑ کی چوٹی بہت اونچی تھی۔ جمیلہ نے کہا بیشک مقدس ہبل نے مہربانی کی کہ اتنے فاصلے اور بلندی سے گرنے والا مشکل سے زندہ رہ سکتا ہے"!
رقیہ۔ اور کیا میرے تو حواس جاتے رہے تھے۔
جمیلہ نے رقیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ مگر رقیہ اب تم ریت میں اٹی ہوئی بھی کیسی خوبصورت معلوم ہو رہی ہو۔
رقیہ نے مسکراکر کہا۔ اچھا! جمیلہ اب تم مجھے بنانے لگی ہو۔
جمیلہ نے ہنسکر کہا۔ میں کیا بناتی تم کو مقدس خداؤں نے ہی خوبصورت بنایا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

لیکن یہ بات کیا ہے رقیہ! اب تک کسی شاعر[1] نے تم پر نظر عنایت نہیں کی ہے، رقیہ نے کہا۔ نہ میں خوبصورت ہوں نہ کسی شاعر نے میری تعریف کی ہے البتہ تو خوبصورت ہے جمیلہ۔ ایسی خوبصورت کہ صحرائے عرب میں چاند صرف تیرے روئے منور کی زیارت کرنے کے لئے نکلتا ہے۔

جمیلہ رقیہ کی طرف بڑھی اور اسکے کپڑوں سے ریت جھٹکتے ہوئے بولی۔ رقیہ! ہم باتوں میں لگ گئیں۔ ان لوگوں کو بھول گئیں جو ہمارے خیموں کی طرف جھپٹے آرہے ہیں۔ ذرا جلدی جلدی کپڑے جھٹک لو اور چلو۔

رقیہ نے کہا۔ بیشک ہم نے فضول باتوں میں وقت کھو دیا۔

یہ کہتے ہی رقیہ نے جلد جلد کپڑے جھٹکے۔ جمیلہ نے اسکی دراز سیاہ مشکبو زلفوں کو جھٹکا۔ چونکہ جمیلہ کی طبیعت میں قدرے شوخی تھی اس لئے اس نے گیسوؤں کی اُن لٹوں کو جو رقیہ کے گداز سینہ پر دونوں طرف بل کھائے ہوئے پڑی تھیں جھٹکتے جھٹکتے اسکے پہلو میں چٹکی لی۔

[1] عرب میں زمانہ جاہلیت میں قبل از طلوع اسلام یہ قاعدہ تھا کہ ہر حسین دوشیزہ کی تعریف شاعر کیا کرتے تھے اور جسکی کوئی شاعر تعریف کر دیتا تھا اسکی سارے عرب میں شہرت ہو جاتی تھی، چونکہ ہر شخص شاعر تھا یا شاعری سے شوق شغف رکھتا تھا۔ اسلئے انھیں اپنی زباندانی پر بڑا غرہ تھا۔ سالانہ میلوں۔ تقریبوں اور حج کے موقعوں پر جس شخص کا قصیدہ سب سے بہتر ہوتا۔ اسکی سب سے زیادہ تعریف۔ عزت و وقعت ہونے لگتی حقیقت یہ ہے کہ اس زمانہ کے شاعروں کے نزدیک قبیلوں کو لڑا دینا اور نوجوانوں میں شجاعت و مردانگی کی روح پھونک دینا معمولی باتیں تھیں مگر کوئی شاعر کسی کی شان میں دو چار شعر کہہ دیتا تو فوراً اسکی شہرت ہو جاتی۔ الغرض اس زمانہ میں شاعر شہرت کا ذریعہ تھے۔ صادق۔ صدیقی سردھنوی

رقیہ اُچھل پڑی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ بڑی شوخ ہو جمیلہ!

جمیلہ ایسی سنجیدہ بن گئی۔ گویا اس نے قصداً چٹکی نہیں لی۔ اس نے بھولی صورت بنا کر کہا۔ کیا ہو گیا رقیہ؟

ساتھ ہی ایک اور چٹکی لی۔ رقیہ نے آہستہ سے سسکی بھرتے ہوئے کہا اچھا بد شرارت! ٹھہرو میں تم کو ٹھیک کرتی ہوں۔

جمیلہ نے انتہائی بھولی صورت بنا کر کہا میں ٹھیک ہوں رقیہ! آخر تم کیوں سسکیاں بھرنے لگی ہو۔

رقیہ نے کہا۔ کس قدر شوخ ہے تو جمیلہ۔ چٹکیاں بھرتی ہے اور صورت ایسی بنا لیتی ہے جیسے کچھ جانتی ہی نہیں ہو اور دیکھے تو کوئی یہی سمجھے کہ بڑی بھولی بھالی لڑکی ہے۔ اس نے کچھ نہیں کیا۔

جمیلہ نے بھولے پن سے کہا۔ اب میں تمہاری طرح شریر تو ہوں ہی نہیں۔

رقیہ۔ بالکل نہیں۔ تو نے صحرائے ریگ زار میں رہ کر باتیں کس سے سیکھی ہیں جمیلہ۔

جمیلہ۔ تم نے رقیہ! تم شوخ ہو شوخی مجھے تم نے ہی سکھائی ہے۔

اتفاق سے رقیہ کی نظر سامنے اٹھ گئی۔ اب سوار بہت قریب آ گئے تھے وہ پچاس ساٹھ کے قریب تھے۔ انکی سیاہ ڈھالیں چمک رہی تھیں۔ نیزے ہاتھوں میں لئے ہوئے تھے۔ نیزوں کی انیاں جگمگا رہی تھیں۔ عربوں کی داڑھیاں ہوا میں لہرا رہی تھیں۔ گھوڑے فراٹے بھرتے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ چونکہ ریت تھا۔ ریت پر دوڑ رہے تھے۔ اسلئے انکے ٹاپوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں

رقیہ نے انھیں دیکھتے ہی کہا۔ آؤ جمیلہ جلدی چلیں۔ دیکھو وہ غارتگر لوگ نخلستان کے بالکل قریب ہی پہنچ گئے۔

جمیلہ نے اپنی خوبصورت نظریں اٹھا کر دیکھا۔ اس نے کہا۔ سچ کہتی ہو رقیہ! آہ اب کیا ہوگا؟ مردوں میں سے تو ایک بھی اسوقت موجود نہیں ہے۔

رقیہ نے کہا۔ نہیں ہے تو کیا ہے۔ کیا ہم عورتیں آسانی سے قابو میں آجائنگی؟

جمیلہ نے اپنے نازک ہاتھوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا نہیں لیکن ہمارے نیزے............

رقیہ نے افسوس بھرے انداز میں کہا۔ بڑی غلطی ہوئی نیزے تو اس ٹیلے ہی پر رہ گئے۔

جمیلہ نے کہا۔ تم ٹھیرو! میں نیزے لیکر آتی ہوں۔

یہ کہتے ہی وہ اوپر چڑھنے لگی۔ رقیہ نے کہا۔ میں بھی چلتی ہوں جمیلہ! رقیہ بھی جمیلہ کے پیچھے چلی۔ دونوں کسی قدر تیزی سے مگر سنبھلکر چڑھنے لگیں۔ بھیڑوں اور بکریوں کے گلے بھی ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ دونوں تیزی سے چلکر ٹیلہ کی چوٹی پر پہنچیں۔ نیزے اٹھائے۔ جمیلہ نے کمبل طے کر کے اپنے کندھے پر اس طرح ڈال لیا کہ اس کا کچھ حصہ پشت کی جانب لٹک گیا اور کچھ گداز سینہ کو ڈھک کر آگے کی طرف آلٹکا۔

اب دونوں چلیں۔ جب وہ ٹیلے سے نیچے اترنے لگیں۔ تو انھوں نے غارتگر عربوں کو نخلستان کے اندر گھستے ہوئے دیکھا۔ دونوں تیزی سے مگر سنبھل سنبھلکر اترنے لگیں۔ بھیڑ اور بکریاں دور تک پھیل گئیں انکے پیچھے ہی پیچھے وہ بھی

اُترنے لگیں۔

جب وہ ٹیلہ سے نصف سے زیادہ اُتر آئیں تو انھوں نے نخلستان میں تلواریں چمکتی ہوئی دیکھیں۔ جمیلہ نے تاسّف انگیز لہجہ میں کہا۔ آہ غارتگروں نے شمشیر زنی شروع کردی ہے۔ رقیہ! کیا تم تلواریں چمکتی ہوئی نہیں دیکھ رہی ہو؟ رقیہ نے غم بھرے لہجہ میں کہا۔ دیکھ رہی ہوں۔ کاش آج ہمارے مرد یہاں ہوتے انکی موجودگی میں ان غارتگروں کو غارت گری کی جسارت نہ ہوتی۔

دونوں تیزی سے اُتر رہی تھیں۔ جب وہ اُتر آئیں تو انھوں نے تیز قدمی سے نخلستان کی طرف چلنا شروع کردیا۔ جس تیزی سے وہ چل رہی تھیں۔ اسی تیزی سے ان کی بھیڑیں بکریاں بھی چل رہی تھیں۔

جب وہ نخلستان کے قریب پہنچیں تو انھوں نے بچّوں کے رونے اور چیخنے کی آوازیں سنیں۔ دونوں کے سینے غم و فکر سے اُچھلنے لگے۔ دونوں نے اور بھی تیزی سے چلنا شروع کردیا۔ دونوں اپنے اپنے نرم و نازک ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے نیزے لئے نخلستان کی طرف جھپٹ پڑیں۔

اسوقت آفتاب اسقدر اونچا ہوگیا تھا کہ اسکی شعاعیں ریگ زار پر سیدھی پڑنے لگی تھیں۔ تمازت بڑھ چکی تھی۔ ریت کے ذرّات چمک کر آنکھوں کو خیرہ کرنے لگے تھے دونوں سیم تن لڑکیاں تیز جارہی تھیں۔ کچھ تیزی سے چلنے کیوجہ سے کچھ آفتاب کی حرارت کے دونوں کے پھول سے رخسار سے عرق آگیں ہوکر نکھر گئے تھے بلکہ خون کی تیزی سے روانی کی باعث گلنار بن گئے تھے۔ جبین ناز پر پسینے کے چھوٹے چھوٹے قطرے پڑے نہایت ہی دلفریب معلوم ہو رہے تھے۔

جب وہ نخلستان میں داخل ہوئیں تو انھوں نے دیکھا کہ جنگ ختم ہو چکی تھی کچھ عورتیں لڑکر ماری گئی تھیں۔ کچھ زخمی گری پڑی تھیں۔ کچھ بے بس کرکے باندھ لی گئی تھیں بچے رو رہے تھے۔ کچھ مرنے والی عورتوں سے لپٹے ہوئے تھے کچھ کھڑے آنسو بہا رہے تھے۔ بیرحم غارتگر معصوم بچوں کو گرفتار کرنے میں مشغول تھے۔

یہ منظر دیکھکر دونوں لڑکیوں کو جوش آ گیا۔ جوش اور غصہ عقل وخرد کو مغلوب کر دیتے ہیں ان دونوں کی بھی عقل جاتی رہی۔ انھیں جوش وغضب نے یہ سوچنے کا موقعہ ہی نہ دیا۔ کہ وہ دونوں کمسن۔ نازنین حسین لڑکیاں ہیں پچاس ساٹھ مردوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اگر وہ یہ سوچتیں تو ضرور کسی ریت کے ٹیلہ کے پیچھے چھپ کر بچ جاتیں۔ مگر ان کو جوش آ گیا تھا۔

انھوں نے اس بات کو سوچا ہی نہ تھا۔ جوش وغضب میں بھر کر بید بھڑک ہو کر اقدام کرتے ہوئے لٹیروں کے سامنے جا کھڑی ہوئیں۔

دونوں لڑکیوں کے خوبصورت چہرہ سے معصومیت کا جلال پاکدامنی کی ہیبت کا اظہار ہو رہا تھا۔ لٹیرے عربوں پر ان کا رعب وجلال طاری ہو گیا وہ حیرت اور مرعوب نظروں سے انھیں دیکھنے لگے۔

لڑکیوں نے نیزے تان لئے تھے۔ آسمانی دیویوں کی شان سے سروقد کھڑی تھیں۔ موہنی آنکھیں بجلیاں گرا رہی تھیں۔ جمیلہ نے موسیقی نواز لہجہ میں کہا بدبخت لٹیرو! ان بے گناہ عورتوں اور بچوں کو فوراً چھوڑ دو۔

اسیر ہونے والی عورتوں میں سلمٰی بھی ہے۔ اس نے جمیلہ کو دیکھا۔ ٹھنڈا سانس بھر کر اور پر سوز لہجہ میں کہا جمیلہ آہ! تو آ گئی۔ میری بیٹی کاش تو نہ آتی۔

جمیلہ کی ڈپٹ نے کچھ دیر کے لئے عربوں کو مبہوت کر دیا۔ لیکن وہ سنبھلے اُن میں سب سے ضعیف العمر عرب نے کہا۔ لڑکیو! نیزے پھینک دو ہم تمہارا احترام کرتے ہیں۔

رقیہ نے کہا احترام!...... بیرحم ڈاکوؤ! تم کس کا احترام کرتے ہو۔ چھوڑ دو اِن معصوم عورتوں اور بیگناہ بچّوں کو چھوڑ دو۔ ورنہ پچھتاؤ گے

ایک عرب نے کہا۔ اے بنی بکر کی حسین لڑکیو! تم بنی قحطان کے مردوں کو ڈراتی ہو۔ تم سے ڈر جائیں گے۔ قسم ہے عزیٰ کی ہرگز نہ ڈریں گے۔ نادانی نہ کرو۔ نیزے پھینک دو۔ ہم تمہیں عزّت کے ساتھ گرفتار کر کے لے جائینگے

جمیلہ نے غضب آلود ہوتے ہوئے کہا۔ قبیلہ قحطان کے بھیڑیو۔ ہوش کی دوا کرو۔ کیا ہمیں بزدل سمجھتے ہو۔ کیا قبیلہ بنی بکر کی بیٹیاں تم سے ڈر کر نیزے پھینک دیں گی۔ ہبل کی قسم ہرگز نہ ہو گا۔

ایک لڑکی کی طرف تلوار سوت کر بڑھا۔ رقیہ نے حیرت انگیز پھرتی سے جھپٹ کر نیزہ مارا۔ عرب کی تلوار اُٹھی۔ لیکن نیزہ اسکے پہلو میں لگا۔ تلوار جھک گرا۔ ایک لمبی آہ کر کے گرا۔ اور ٹیڑھا منہ بنا کر کھجور کے چھوٹے درخت کی شاخوں کو پکڑ کر کھینچنے لگا۔

تمام عرب کو رقیہ کی یہ جسارت دیکھکر غصہ آگیا۔ وہ غضبناک ہو گئے فوراً دو آدمی تلوار کھینچکر بڑھے۔ ایک جمیلہ پر اور دوسرا رقیہ پر ٹوٹ پڑا۔ جمیلہ نے ایک دل ربایانہ شان کے ساتھ بڑھ کر نیزہ مارا۔ نیزہ حملہ آور

ؔ عزیٰ وہ بت تھا جسکی قحطان پرستش کرتے تھے۔

عرب کے سینہ پہ پڑا۔ عرب نے خون تھوکا اور گر پڑا۔

دوسرے عرب نے رقیہ کے نیزہ پر تلوار ماری۔ نیزہ کی انی کٹ کر دور جا گری۔ اُس نے دونوں ہاتھوں میں دستہ لیکر عرب کے سر پہ مارا۔ لیکن عرب بھی غافل نہ تھا۔ وہ پینترا بدل کر اچھلا۔

جس وقت وہ اُچھلا۔ فوراً ہی جمیلہ نے اس پر نیزہ مارا۔ چونکہ وہ رقیہ کی طرف متوجہ تھا۔ اسلیے جمیلہ کی طرف سے غافل ہوگیا۔ نیزہ اسکی داہنی پسلی کو توڑ کر نکل گیا وہ ایک دلدوز چیخ مار کر گر پڑا۔

اب وحشی عرب میں درندگی اور بربریت جوش زن ہوئی۔ وہ جھپٹ کر چاروں طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے معصوم لڑکیاں کس کس سے لڑتیں اور کب تک لڑتیں۔ بالآخر مغلوب ہوگئیں۔ بیدرد بھیڑیوں نے ان دونوں کو بھی گرفتار کر لیا۔ اب حملہ آور درندوں نے خیمے اکھاڑے۔ جو اونٹ گلستان میں موجود تھے ان پر خیمے اور مالِ غنیمت لادا۔ بچوں اور عورتوں کو سوار کرایا بھیڑیوں اور بکریوں کے گلوں کو ساتھ لیا اور جس طرف سے آئے تھے اسی طرف جس قدر تیزی کے ساتھ چل سکتے تھے روانہ ہوگئے۔

تیرھواں باب

قریش کی مخالفت

آنحضور صلعم نے کوہ صفا پر تشریف لیجا کر مکہ کے تمام قبائل کو بلا کر باری تعالیٰ

کا پیغام پہنچا دیا۔ بہ آواز بلند صاف صاف کہدیا کہ عذاب الٰہی قریب آگیا ہے خدا پر ایمان لاؤ۔ اس خدا پر جو کائنات کا خالق ہے جو پتھر کے اندر رہنے والے کیڑے کو بھی رزق دیتا ہے۔ جو آگ میں بھی سمندر کے رہنے والے جانور کو زندہ رکھ سکتا ہے۔ عبادت کے لائق وہی ہے جس نے سب کچھ بنایا ہے جو خالق جزو کل ہے۔ بتوں کی پرستش چھوڑ دو۔ ان بتوں کی جن میں نادانی سے تم اور تمہارے باپ دادا پوجتے رہے ہو۔ نہ بت خدا ہیں نہ خدا کے دربار میں ان کی رسائی ہے۔ انھیں تو تم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے جنھیں تم نے خود بنایا ہے وہ خالق کیسے ہو سکتے ہیں۔

پھر یہ باتیں کب کہیں! اسوقت جبکہ تمام مکّہ۔ سارا عرب اور عرب کا گوشہ گوشہ بت پرستی کی لعنت میں گرفتار تھا ہر قبیلہ کا۔ قبیلہ کے ہر فرد کا شعار بت پرستی تھا۔ صدیوں سے لوگ بتوں کو خدا مان کر پرستش کرتے رہے تھے کبھی کسی نے بت پرستی کے خلاف آواز نہ اٹھائی تھی۔ لہذا کوئی شخص بتوں کے خلاف ایک لفظ بھی سننے کو تیار نہ تھا۔ بت پرستی کی مذمت کرنیوالے کی زندگی خطرہ میں تھی۔ غیور عرب اس کا خاتمہ کرنے پر ہر وقت مستعد نظر آتے تھے۔

آپ نے مگر کسی قسم کے خطرہ کی پرواہ نہ کی۔ جب آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا بتوں کی مذمت کی۔ خدائے وحدہٗ لاشریک کی تعریف کی اسوقت آپکے ہاتھ میں تلوار نہ تھی۔ آپکے ساتھ آپکی حفاظت کے لئے لشکر نہ تھا۔ آپ بادشاہ نہ تھے۔ آپ کو حکومت کا زعم نہ تھا بلکہ برعکس اسکے آپ تنہا تھے۔ نہتے تھے۔ بت پرست مسلح تھے کثیر التعداد تھے۔

کیا بات تھی جس نے آپ کو اعلائے کلمۃ الحق پر آمادہ کیا۔ صرف خدا پر اعتماد تھا۔ اس اعتماد نے آپ کا حوصلہ بڑھایا تھا۔ حوصلہ نے جرأت پیدا کی جرأت سے ہمت بندھی۔ ہمت نے دل قوی کر دیا۔ دل نے نعرۂ حق بلند کرنے پر اکسایا۔ آپ نے کفرستان میں۔ بت پرستوں کے مجمع میں بتوں کی مذمت کی اور توحید کی اشاعت و تبلیغ فرمائی۔

اگرچہ آپ کو تبلیغ میں اس وقت کامیابی نہ ہوئی اور کسی نے بھی توحید کا اقرار نہ کیا۔ ایک شخص بھی بت پرستی سے تائب نہ ہوا لیکن آپ نے پیغام خدا اس کے بندوں تک پہنچا دیا۔ توحید کی آواز سے بت پرستوں کے کان آشنا کر دیئے۔

آپ کوہ صفا سے واپس لوٹ آئے۔ آپ کو ایک گونہ مسرت تھی کہ آپ نے بت پرستوں کے مجمع میں خدا کا نام لے دیا۔

چونکہ اب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تھی۔ یعنی چالیس تک حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے۔ اسلیئے آپ نے انھیں بھی تبلیغ اسلام پر مامور فرماتے ہوئے تاکید کردی کہ دین حق کی اشاعت کریں۔ اس کے بعد سب کے سب اس کار خیر میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔

ایک روز آپ نے حضرت علی سے کہا کہ "ضیافت کا سامان کرو اور تمام قریبی رشتہ داروں کو دعوت دے آؤ۔

حضرت علی نے ضیافت کا اہتمام کیا اور تمام رشتہ داروں کو دعوت دے آئے۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں لوگوں کی آمد آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

حضرت عباس حضرت حمزہؓ۔ ولید ابولہب۔ ابوجہل۔ ابوطالب اور بہت سے لوگ آئے سب کے سامنے کھانا چنا گیا۔ سب نے اطمینان سے کھانا کھایا۔ جب کھانے سے فراغت ہوئی۔ تو آنحضور صلعم کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا:۔

میرے بزرگوار! اور عزیزو جو کچھ میں کہوں اسے ٹھنڈے دل سے سنو۔ اور اس پر غور کرو۔ یہ خیال نہ کرو کہ میں اس مذہب کے خلاف کچھ کہہ رہا ہوں جو تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا مذہب ہے۔ غور اس پر کرو کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ ٹھیک ہے یا غلط۔

دیکھو تم بتوں کو پوجتے ہو۔ بتوں کو انسانوں نے بنایا ہے۔ زیادہ تر بت پتھر کے تراش کر بنائے گئے ہیں۔ کوئی بت انسانوں کا ہم شکل ہے۔ کوئی حیوانوں کا اور کوئی جانوروں کی صورت کا ہے۔ سوچو کیا اتنے بھی خدا ہو سکتے ہیں۔ جتنے کہ تم نے بنا رکھے ہیں۔

اگر دنیا میں اتنے خدا ہوتے تو نظام عالم قائم نہ رہ سکتا۔ یہ عقل میں آنے والی بات نہیں کہ جتنے بتوں کو تم پوجتے ہو اتنے ہی خدا ہوں۔ یہ خیال بھی درست نہیں ہے کہ پتھر کے بت خدا کے دربار میں شفیع ہو سکتے ہیں۔ اگر یہ بت بولتے ہوتے۔ تمہاری سنتے اپنی کہتے تب بھی یہ دھوکا ہو سکتا تھا کہ وہ خدا کے دربار میں ہماری شفاعت یا سفارش کر سکیں گے! لیکن تم دیکھتے ہو اور خوب جانتے ہو کہ بت نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں۔ پھر وہ سفارش ہی کیا کر سکتے ہیں۔ خدا تو وہ ہے۔ جس نے کائنات عالم کا ذرہ ذرہ پیدا کیا ہے جو خالق عالم اور رزاق مطلق ہے۔ جس کے ہاتھ میں عزت و ذلت وفنا و بقا ہے

اِنا اقول ان الٰھی ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو رب السموات والارض یحیی ویمیت ویفعل بوید۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ اللہ میرا معبود ہے۔ سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں وہ آسمان وزمین کا رب ہے جسے چاہے زندہ رکھے اور جسے چاہے موت دے لوگو! بہت دنوں تم مذلت وگمراہی میں پڑے رہے غفلت کی نیند سوتے رہے۔ اب اٹھو۔ گمراہی سے نکلو۔ خدا کی پرستش کرو۔ ۔ ۔ ۔

تمام لوگ توجہ اور غور سے حضور کی باتیں سن رہے تھے۔ ابولہب پیچ وتاب کھا رہا تھا کہ کہیں لوگ حضور کی باتوں سے متاثر ہو کر آبائی مذہب چھوڑ کے حلقہ بگوش اسلام نہ ہو جائیں اس لئے اس نے لایعنی گفتگو شروع کر دیا۔ بلا وجہ لوگوں کو مخاطب کر کے زور زور سے باتیں کرنے لگا۔

اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ دھیان دیکر حضور کی باتیں نہ سنیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ لوگوں کی توجہ ہٹ گئی۔ کوئی بھی یکسوئی سے حضور کی باتیں نہ سن سکا۔ صرف یہی نہیں کہ ابولہب نے لوگوں کی توجہ ہٹائی۔ بلکہ اُٹھ کھڑا ہو گیا اسکے کھڑا ہونے کی وجہ سے سب کے سب اُٹھ کھڑے ہوئے اور ایک ایک دو دو کر کے چل دئے۔ ابولہب سب کے بعد گیا۔

اگرچہ اس دعوت سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ لیکن حضور نے کوئی خیال نہ کیا اور چند روز کے بعد پھر دعوت کی گئی۔

آج یورپ کو فخر ہے کہ اس نے تہذیب وتمدن میں بڑا عروج دکھال دکھایا ہے۔ یورپ کے بیشتر حصہ میں تبلیغ کا یہی طریقہ ہے کہ لوگوں کی دعوت

کیجاتی ہے اور کھانا کھانے کے بعد تقریریں ہوتی ہیں۔ لیکن یہ خوشی چلنی کہاں سے کی گئی۔ سب سے پہلے کس نے یہ مہذب طریقہ کو ایجاد کیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ آنحضور صلعم نے یہ طریقہ نکالا۔ پھر کس ملک میں عرب جیسے غیر مہذب ناشائستہ ملک میں۔ جسکا تمدن انتہائے پستی میں تھا۔

حضور کی دعوت پر سب لوگ پھر جمع ہوئے۔ پھر حضور نے وہی تقریر فرمائی اس پر ابولہب کو گڑبڑ کرنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ بلکہ خاموش بیٹھا سنتا رہا۔ باقی تمہاری خوشی سے سنتے رہے۔ حمد و ثناء قدوس کے بعد حضور نے فرمایا۔

تو امیں خدا کا رسول ہوں پیغمبر ہوں۔ تمہارے پاس خدا کا پیغام لیکر آیا ہوں سنو اور مانو۔ اس خدا کے سامنے جھک جاؤ۔ جس نے تم کو پیدا کیا جو تمہیں موت دیگا اور قیامت کے روز پھر زندہ کریگا۔ ذرہ ذرہ کا حساب لے گا کہ خدا سے ڈرو اور اسکے احکام کی تعمیل کرو۔ جوا بری چیز ہے۔ زناکاری بیحیائی ہے۔ چوری اور ڈکیتی شریفوں کا شیوہ نہیں۔ تمام بری باتوں کو چھوڑ دو۔ پاکیزگی اختیار کرو۔ میں خدا کی طرف سے تمہارے پاس وہ بات لیکر آیا ہوں جس سے اچھی بات کوئی شخص اپنی قوم کی طرف نہیں لایا۔ بتاؤ دس نیک کام میں کوئی میرا مددگار ہوگا؟

آج سب نے حضور کی تقریر توجہ سے سنی۔ جب آپ نے پوچھا کہ کون اس نیک کام میں آپکا مددگار ہوگا تو سب چپ رہے۔ کوئی بھی نہ بولا۔ حضرت علی کھڑے ہوئے آپ نے فرمایا حضور اگرچہ میں سب سے چھوٹا ہوں۔ کمزور ہوں۔ کسی قسم کی قدرت اور قوت نہیں رکھتا مگر میں آپکا ساتھ دونگا۔ اپنی زندگی کے آخری سانس

تک ساتھ دونگا۔ ابولہب حضرت علی کی گفتگو سن کر ہنس پڑا اس نے بطور استہزاد کہا (محمدؐ) علی تیرا ساتھ دیگا۔ اب تجھے کیا خوف ہے؟

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ تم مذاق اُڑاتے ہو۔ چندروز مذاق اُڑا لو۔ مگر وہ وقت عنقریب ہے جب روؤ گے۔ پچھتاؤ گے (آپ نے جوش میں آکر کہا) سنو اور کان کھول کر سنو ایک نہ ایک دن تمام عربستان بتوں کی پُوجا چھوڑ کر رہیگا نیز اسلام چمکیگا اور خوب چمکیگا۔ اقصائے عالم میں اسکی منوّر شعاعیں پرتو فگن ہوں گی۔ دنیا بھر میں خدا کے پوجنے والے چھا جائینگے۔

ابولہب ہنستا ہوا اٹھا۔ اس نے کہا اس وقت ہم بھی مسلمان ہوجائینگے۔

آنحضور صلعم بحالت جوش تھے۔ آپ نے فرمایا ابولہب تو کبھی مسلمان نہ ہوگا تیری قسمت میں دولت اسلام نہیں ہے تو میرا چچا ہے میں چاہتا تھا کہ تو مسلمان ہوکر عذاب الٰہی سے بچ جائے۔ لیکن افسوس تو دوزخ کا ایندھن رہیگا۔

ابولہب نے کہا! تم میرا افسوس نہ کرو اپنی خبر لو! یہ کہہ کر ابولہب چلا گیا۔ اسکے ساتھ ہی تمام لوگ بھی چلے گئے۔ آج کی دعوت کا بھی کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا۔

اب آپ کا یہ معمول تھا کہ جب نماز کا وقت ہوتا۔ خانہ کعبہ میں جاتے اور نماز پڑھتے۔ نماز پڑھنے کے بعد بت پرستی کے خلاف زور وشور سے وعظ فرماتے اس سے کفار میں بڑا جوش پھیلا۔ تمام قبائل سخت برافروختہ ہوگئے۔ ہر بُت پرست آپکا جانی دشمن ہو گیا۔ ہر بُت کا فدائی آپکو کینہ توز نظروں سے دیکھنے لگا۔

تمام قبائل نے ملکر ایک مجلس شوریٰ قائم کی سب نے بالاتفاق یہ قرارداد منظور

پہنچا کر آنحضور صلعم کو اور ان لوگوں کو جو مسلمان ہو گئے ہیں جسقدر بھی تکالیف دی جا سکیں۔ دو۔

چنانچہ سب سے پہلے آنحضور صلعم پر سختیوں کا آغاز ہوا۔ شروع شروع میں اشرار اور بدقماش کفار۔ گوکھرو۔ کانٹے اور جھاڑ وغیرہ لاتے اور رات کو اس راستہ پر بچھا دیتے۔ جس راستہ سے علی الصباح آنحضور صلعم گزرنے والے ہوتے۔

چونکہ آپ چپل پہنتے تھے اس لئے اکثر گوکھرو اور کانٹے آپ کو تکلیف دیتے۔ جھاڑ دامن مبارک سے الجھ جاتے مگر آپ ایسے حلیم و صابر تھے کہ گوکھرو بہت کر کانٹے اٹھا کر پھینک دیتے اور کبھی کسی سے شکوہ نہ کرتے۔

عربوں کا خیال تھا کہ آنحضور صلعم ان روز روز سختیوں سے تنگ آکر بت پرستی کے خلاف جہاد بند کر دینگے۔ لیکن حضور کیسے بند کر سکتے تھے۔ خدا کا حکم نازل ہو چکا تھا کہ علانیہ تبلیغ کرو۔ آپ برابر تبلیغ کر رہے تھے۔

شریر شیطانوں کو اس پر بڑا غصہ آیا۔ اب انہوں نے نہایت گندہ اور گھناؤ طریقہ اختیار کیا۔

رات کو جب حضور اور حضور کے متعلقین سوتے ہوتے۔ تو گندگی حضور کے بستر پر۔ کھانا پکانے کے برتنوں پر۔ پانی پینے کی چھاگلوں پر پھینک جاتے اس سے آپ کو بڑی تکلیف ہوتی۔

ہر روز خود برتنوں کو صاف کرتے۔ کپڑے دھوتے غسل کرتے۔ لیکن صبر و تحمل کا یہ عالم تھا کہ زبان سے کچھ نہ کہتے۔

جب عرصہ اسی طرح سے گذر گیا تو صرف ایک دن اتنا کہا کہ اے بنو عبد مناف یہ اچھا ہمسائیگی کا حق ادا کر رہے ہو۔

بھلا اس بات کا کیا اثر ہوتا۔ وہ بدستور گندگی پھینکتے رہے اور آنحضور کو حیران و پریشان کرتے رہے۔

اب شریر اور بدمعاش اور اوباش لوگ کسی قدر اور زیادہ گستاخ ہوگئے تھے۔ انھوں نے حضور کے سامنے حضور کو برا بھلا کہنا۔ شاعر مجنون عراف کاہن وغیرہ وغیرہ کا خطاب دینا شروع کر دیا۔

آنحضور صلعم جہاں جاتے جس مجمع میں کھڑے ہو کر تقریر کرتے شریر لوگ وہیں پہنچکر آوازے کسنے شروع کر دیتے۔ اور کسی کو حضور کی باتیں نہ سننے دیتے مگر حضور تھے کہ انکی کسی بات پر کان نہ دھرتے تھے۔ برابر ہر مجمع میں وعظ و تلقین فرماتے رہتے۔

ایک روز آنحضور خانہ کعبہ میں نماز گذار رہے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط آگیا اس نے آپکے گلے میں چادر ڈالکر اسقدر اینٹھا کہ آپکا دم رُکنے لگا۔ آنکھیں ابل آئیں اور روئے مبارک سُرخ ہوگیا۔

اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیق ادھر آنکلے آپ عقبہ پر جھپٹے اور اُسے دھکیل کر ایک طرف ہٹایا۔ اس عرصہ میں بہت سے لوگ جمع ہوگئے تھے حضرت ابوبکر صدیق نے بلند آواز سے کہا اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ یعنی کیا تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے

یہ سنتے ہی تمام قریش حضرت ابوبکر صدیق پر جھپٹ پڑے اور ہر جہار

جانب سے انھیں زد و کوب کرنے لگے۔ جوش و غصّہ سے دیوانے ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ میں جواب دینے کی تو کہاں طاقت تھی۔ وہ سینکڑوں تھے یہ تنہا۔ صرف ان کے وار رد کرنے لگے۔

جب شور و شغب زیادہ ہوا۔ تو چند نیک دل لوگ آ گئے اور انھوں نے کہہ سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بچایا۔

اسی طرح ایک روز آنحضور صلعم حرم شریف میں نماز پڑھ رہے تھے۔ بہت سے لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ جب آپ نماز پڑھ چکے۔ تو آپ کی شان میں گستاخی کرنے لگے۔

حضرت حارث بن ہالہ قریب ہی تھے۔ وہ آ گئے۔ انھوں نے شریر شیطانوں کو باز رکھنا چاہا۔ لوگ انکے اوپر ٹوٹ پڑے۔ اور انھیں اسی جگہ شہید کر دیا۔ آنحضور کو ان کی شہادت کا نہایت افسوس ہوا۔ اسلام کی راہ میں یہ پہلا خون تھا جس سے زمین رنگین ہوئی۔

چونکہ حضور تنہا تھے۔ کوئی یار و مددگار نہ تھا۔ تمام اہل مکہ اس بات کو خوب جانتے تھے۔ اسلئے اشرار کی گستاخیاں دن بدن بڑھتی جاتی تھیں۔

ایک دن آپ بیت اللہ شریف میں نماز پڑھ رہے تھے۔ قریش بھی بیٹھے تھے ابوجہل بھی موجود تھا۔ ابوجہل نے کہا۔ باہر ابھی ایک اونٹ ذبح ہوا ہے اس کی اوجھڑی پڑی ہوئی ہے۔ کوئی اسے اٹھا کر لاؤ اور محمدؐ کے اوپر ڈال دو۔

عقبہ بن ابی معیط نے کہا۔ "میں لاتا ہوں"!

چنانچہ وہ گیا اور دو آدمیوں کو ہمراہ لے کر اوجھڑی اٹھوا لایا۔ جب

آنحضور صلعم سجدہ میں گئے تو اُس نے اوجھڑی حضور کی پشت پر رکھدی۔ کفار اپنی اِس شیطانی حرکت پر کھلکھلا کر ہنسنے لگے۔ اِس مجمع میں حضرت عبداللہ بن مسعود بھی موجود تھے۔ یہ مسلمان ہو چکے تھے دل میں اشرار کی اس حرکت پر لعن و تشنیع کر رہے تھے۔ لیکن کچھ کہنے یا اوجھڑی اٹھانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ چپ چاپ کھڑے رہے۔

اتفاقاً حضرت فاطمہ حضور کی سب سے چھوٹی لڑکی ادھر آنکلیں۔ آپ بچہ ہی تھیں۔ اپنے ابا کی یہ کیفیت دیکھکر بہت خشمگیں ہوئیں۔ انھوں نے اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے اوجھڑی کو سرکایا اور کھڑے ہو کر تمام کفار کو برا بھلا کہا۔ کسی کو انھیں کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔

سب چپ چاپ بیٹھے حضرت فاطمہؓ کا پُر جلال چہرہ دیکھتے رہے جب سرورِ کائنات نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے حضرت فاطمہؓ کی پیشانی چوم کر کہا۔ لختِ جگر و جانِ پدر کیوں انھیں برا کہہ رہی ہو۔ انکی آنکھیں نہیں ہیں اگر یہ مجھے پہچان لیتے۔ تو ایسی مضحکہ خیز باتیں نہ کرتے۔ تم ان کو برا بھلا نہ کہو بلکہ دعا کرو کہ خدا انھیں دیکھنے اور سمجھنے کی قوت عطا فرمائے۔

اسکے بعد آپ حضرت فاطمہؓ کو اپنے ہمراہ لیکر گھر واپس چلے آئے۔

شدائد و مصائب جو پہنچ رہے تھے ختم نہ ہوگئے بلکہ دن بدن بڑھتے ہی گئے۔

رفتہ رفتہ کفار کو معلوم ہو گیا کہ کون کون سے مسلمان ہو گئے ہیں۔

بنابریں انھوں نے ایک بڑی مجلس شوریٰ منعقد کرنے کا ارادہ کر لیا۔ تمام قبائل کو مطلع کر دیا گیا۔ دن تاریخ اور وقت مقرر کر دیا۔ اور اسکے بعد نہایت شان و شکو

سے انعقاد مجلس کی تیاریاں ہونے لگیں۔

چودھواں باب

مجلس شوریٰ

جب تک سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا رہے اسوقت تک تو کفار مکہ کو نہ کوئی فکر ہوا نہ تشویش بلکہ وہ حضور صلعم کی باتوں کا تمسخر اڑاتے رہے۔ مذاق کرتے رہے۔ سمجھتے رہے کہ دو چار روز تلقین کر کے از خود ہی خاموش ہو جائیں گے۔ لیکن جب سُنا کہ آپکی تبلیغ سے بہت سے عرب مسلمان ہو چکے ہیں تو خدشہ ہوا۔ تشویش بڑھنے لگی اور آنحضور صلعم کے خلاف ایک عام جوش پیدا ہو گیا۔

اُسی عرصہ میں حضور پر وحی نازل ہوئی انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم (یعنے کہدو اے محمد صلعم) کہ تم جن چیزوں کو پوجتے ہو وہ دوزخ کے ایندھن ہونگے۔

حضور نے پکار کر یہ آیت شریف سب سے کہہ سنائی۔ اس سے کفار اور اشرار کا جوش و غضب اور بڑھ گیا۔ اور وہ نہایت گستاخ۔ سرکش ہو گئے حضور صلعم پر ناروا سختیوں اور بیجا گستاخیوں کی بوچھار شروع کردی +

اس قدر تنگ کیا کہ حضورؐ کو گھر سے باہر نکلنا دشوار ہو گیا۔ مگر حضورؐ نے ان کی گستاخیوں۔ سختیوں اور تشدد وغیرہ کی قطعاً پرواہ نہ کی بلکہ بیش از پیش مصروف تبلیغ و تلقین رہے۔

چونکہ مسلمانوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا۔ اِسلئے حضورؐ کو ضرورت لاحق ہوئی کہ کوئی ایسا مکان تجویز کیا جائے۔ جس میں دو گھڑی کے لئے تمام مسلمان روزانہ جمع ہو کر قرآن شریف پڑھا اور یاد کیا کریں۔

چنانچہ ارقم کا مکان جو آبادی سے ایک طرف کوہ صفا کی تلی میں واقع تھا۔ تجویز کیا گیا۔ حضورؐ اس مکان پر تشریف لے جاتے۔ تمام مسلمان بھی کفار مکہ کی نظروں سے بچکر ایک ایک کرکے آجاتے۔ حضور کریمؐ کے ارشادات سنتے نماز پڑھتے۔ قرآن شریف یاد کرتے اور خاموشی سے منتشر ہو جاتے۔

اگرچہ مسلمان انتہائی اخفا سے کام لے رہے تھے۔ اہل مکہ کے خوف کی وجہ سے نہ کوئی اپنا اسلام ظاہر کرتا۔ نہ علی الاعلان نماز پڑھتا۔ نہ ارقم کے مکان میں کسی کے سامنے جاتا۔ لیکن قریش والوں نے جاسوس مقرر کر دئے تھے جاسوسوں نے پتہ لگا لیا کہ کون کون مسلمان ہو گیا ہے۔ کہاں مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ انھوں نے سرداران قریش سے سب کچھ بتا دیا۔ جب انھیں مسلمانوں کی تعداد۔ انکے نام۔ انکے کوائف معلوم ہوئے تو نہایت غضبناک ہوکے بہت بگڑے۔

اس غیظ و غضب کی وجہ یہ تھی کہ جو لوگ مسلمان ہوئے تھے ان میں زیادہ تر خود انکے غلام تھے یا انکے مفلس رشتہ دار تھے۔ مگر انھوں نے اپنے غیظ و غضب اور جوش و اشتعال کو اس لئے قابو میں رکھا۔ کہ ابھی تک مجلس شوریٰ نے

منعقد نہ ہوئی تھی۔

وہ چاہتے تھے کہ تمام قبائل کے سرکردہ مل کر جو تجویزیں کریں اس پر عملدرآمد ہو دن پر دن گذرتے رہے آخر مقررہ دن بھی آگیا۔ ابولہب کے مکان میں ایک عظیم الشان اجتماع ہوا۔ سارے قبائل کے معزز لوگ۔ تمام خاندانوں کے سرآوردہ افراد۔ شرفائے مکہ۔ کاہن۔ عراف وغیرہ سب لوگ جمع ہوئے ان لوگوں میں قابل ذکر ابولہب۔ ابوجہل۔ ولید بن مغیرہ۔ عاص بن وائل اسہمی۔ عتبہ بن ربیعہ۔ ابوسفیان عقبہ بن ابی معیط۔ عمر بن الخطاب۔ خالد بن ولید۔ حمزہ۔ عباس۔ شیبہ وغیرہ وغیرہ یہ سب لوگ وہ تھے جنکا اثر واقتدار نہ صرف مکہ ہی میں تھا۔ بلکہ مکہ سے باہر سارے حجاز اور تمام عرب میں معزز متفخر سمجھے جاتے تھے۔

جب سب لوگ آگئے تو باقاعدہ اجلاس شروع ہوا۔ ابوجہل کو سب نے صدر منتخب کیا۔ ابولہب نے کھڑے ہو کر کہا۔ بزرگوار اور عزیز دوستو۔ آج ہم سب اسلئے جمع ہوئے ہیں کہ ہمارے مذہب کو ٹھیس لگائی جا رہی ہے۔ ہمارے معبودوں کو جو برا بھلا کہا جا رہا ہے۔ جن بتوں کو ہم اور ہمارے آباو اجداد پوجتے رہے ہیں۔ اب انکی تذلیل کیجا رہی ہے۔ ان کے انسداد کی تدابیر سوچیں۔

قبل اسکے کہ ہم کوئی تجویز پاس کریں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تمام واقعات روشنی میں لائے جائیں۔ آپ تمام اصحاب کو معلوم ہے کہ (حضرت) محمدؐ نے یہ فتنہ اٹھایا ہے اس میں شبہ نہیں کہ وہ ہمیشہ سچ بولتا رہا ہے۔ پرہیزگارانہ زندگی بسر کرتا ہے اور مدت مدید تنہا "غار حرا" میں رہا ہے۔

اس نے کبھی کسی کو نہیں ستایا۔ اسکی ذہانت سے خوش ہو کر قوم نے اُسے

امین کا خطاب دیدیا ہے۔ دور اندیش اور سمجھدار بھی ہے لیکن لکھنا پڑھنا بالکل نہیں جانتا۔ میں تمام باتیں اسلیئے بیان کر رہا ہوں کہ ممکن ہے کہ کچھ لوگ اس مجمع میں ایسے بھی ہوں جو ان باتوں کی وجہ سے (حضرت) محمدؐ کے خیر طلب بھی خواہ ہوں۔ اسلیئے یہ بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہمکو انکی ان تمام باتوں کا اعتراف ہے۔ مگر اب جبکہ (حضرت) محمدؐ نے بتوں کے خلاف آواز اٹھائی ہے ہمارے مذہب کو بُرا بنایا گیا ہے۔ ہمارے معبودوں کی تذلیل و توہین کرتا ہے اس کائنات کا خالق ایسے خدا کو بتاتا ہے۔ جو کبھی کسی نے نہیں دیکھا ان دیکھے خدا کی پرستش کرنے کو کہتا ہے۔ خود کو خدا کا رسول بتاتا ہے مقفّٰی اور مسجع عبارت پڑھکر لوگوں کو بہکاتا ہے ان باتوں کو دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں یا کہنے پر مجبور ہیں کہ اس کے دماغ میں فتور آگیا ہے (نعوذ باللہ) کیا ایسی حالت میں جبکہ وہ ہمارے معبودوں کو بُرا بتاتا ہے ہم اُسے عقلمند کہہ سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ وہ میرا بھتیجہ ہے لیکن اب میں سمجھتا ہوں کہ میری اس سے کوئی قرابت نہیں رہی۔ یہ مذہب کا معاملہ ہے مجھے اسقدر رنج و قلق ہے کہ اگر میرا بس چلے تو میں اپنے معبودوں کی برائی کرنے والے کا اپنے ہاتھ سے خاتمہ کر دوں۔ میرے بزرگوار! یہ عجیب بات ہے کہ اس نئے مذہب کو بہت لوگوں نے اختیار کر لیا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ کس طرح لوگ اپنے مذہب کو چھوڑ دیتے ہیں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ ہمارے بہت سے بھائی مرتد ہو گئے ہیں اپنے پرانے معبودوں کو چھوڑ کر نئے خدا پرست ہو گئے ہیں اگر ہم نے فوراً ہی کوئی انسدادی قدم نہ اُٹھایا تو احتمال ہے کہ کہیں زیادہ لوگ نئے مذہب کو اختیار نہ کر لیں۔

خوش قسمتی سے اسوقت تمام اکابر قوم موجود ہیں مجھے یقین ہے کہ کوئی بات ہو جائیگی جس سے آئندہ کا خطرہ مٹ جائے۔ ابولہب اسقدر طویل تقریر کر کے بیٹھ گیا۔ اب ابوسفیان کھڑا ہوا اور اس نے کہا۔ ہمارے لئے کسقدر غیرت و شرم کی بات ہے کہ ہمارے سامنے معبودوں کو بُرا بھلا کہا جائے اور ہم چپ چاپ بیٹھے دیکھا کریں۔ کیا ہم اسقدر نامرد بزدل اور بےحس ہو گئے ہیں کہ ہمارے معبودوں کی اہانت سے بھی ہمارے دلوں میں حرارت طبائع میں جوش و دماغوں میں جذبہ انتقام پیدا نہیں ہوتا اگر ہماری بےحسی کی حد ہو گئی تو ہمکو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے یا تو جوش و غیرت سے اٹھو اپنے معبودوں کی بُرائی کرنیوالے کا خاتمہ کر دو یا اپنے ہاتھوں سے اپنے گلے کاٹ کر مر جاؤ ابوسفیان خاندان بنو اُمیہ میں سے تھا۔ بنو امیہ خاندان خاندان بنو ہاشم کا حریف تھا۔ ایک اموی یہ کیسے دیکھ سکتا تھا کہ ایک ہاشمی کا اثر و اقتدار بڑھے۔ آنحضور صلعم ہاشمی تھے۔ اسلئے ابوسفیان نے اشتعال انگیز تقریر کر کے لوگوں کے دلوں کو گرما دیا۔

ابوسفیان کی تقریر نے تمام لوگوں میں جوش و اشتعال پیدا کر دیا۔ ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں۔ ہم کیوں مریں اپنے معبودوں کی اہانت کرنیوالے کا خاتمہ ہی کیوں نہ کر دیا جائے۔

حضرت عمر نے کھڑے ہو کر کہا۔ ٹھیرو۔ سوچ سمجھ کر باتیں کرو۔ کیا تم یہ نہیں جانتے کہ ہمارے معبودوں کو باطل قرار دینے والا۔ بت پرستی کی مذمت کرنیوالا محمدؐ ہے جو قبیلہ بنی ہاشم سے ہے قبیلہ بنی ہاشم قریش کا سب سے زیادہ متفخر قبیلہ ہے۔ تمام قبائل اس قبیلہ کا احترام کرتے ہیں سارے عرب میں یہ قبیلہ معزز سمجھا جاتا ہے اگر کسی

شخص نے محمدؐ کو قتل کر ڈالا۔ تو خاندان ہاشم ان کا انتقام لینے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیگا۔

ہاشمیوں کے حلیف انکے ساتھ دینگے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک مرتبہ پھر تمام عرب میں جنگ وپیکار کی چنگاریاں روشن ہوکر بھڑک اٹھینگی اور یہ کوئی نہیں جانتا کہ اس جنگ وجدل کا نتیجہ کیا ہوگا۔ کسقدر خاندان برباد ہو جائینگے اور کسقدر قبائل کا خاتمہ ہو جائیگا۔ کیا آپ فجارؔ کی یاد پھر تازہ کرنا چاہتے ہیں" یہ دانشمندی نہیں ہے"۔

لہ حرب فجار ۱شہ میں ہوئی۔ اس لڑائی کا نام حرب فجار سو چیت رکھا گیا کہ یہ جنگ بجز الحرام میں لڑی گئی تھی۔ عربوں میں یہ مہینہ قابل احترام تھا۔ اس مہینہ میں لڑنا سخت گناہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ مشہور جنگ اس طرح شروع ہوئی کہ اس مہینہ یعنی محرم مقام عکاظ میں ہر سال میلہ لگا کرتا تھا۔ اقصائے عرب کے لوگ اس میلہ میں آکر جمع ہوتے تھے مشاعرے منعقد ہوتے۔ گھوڑ دوڑ ہوتی۔ پہلوانوں کی کشتیاں اور فن سپاہ گری کے دنگل ہوتے۔ دور دور سے تاجر آتے۔ بڑا شاندار میلہ ہوتا۔ اس میلہ میں کسی معمولی بات پر قبیلہ ہوزن اور قبیلہ قریش کے مابین چھیڑ چھاڑ ہوگئی۔ چونکہ ہر قبائل جنگجوئی میں حد سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے۔ معرکہ کارزار گرم ہوگیا۔ بڑی خونریز لڑائی ہوئی۔ پھر یہی نہیں کہ اسوقت پر لڑائی ختم ہوگئی ہو بلکہ مدتوں جاری رہی۔ یہ لڑائی آگے چلکر چار بڑی لڑائیوں کا سلسلہ بن گئی چنانچہ قبائل میں دھڑا بندی ہوگئی قبیلہ ہوزن کے ساتھ قیس اور عیلان کے قبائل مل گئے۔ قریش کے ساتھ کنانہ کے تمام قبائل شامل ہوگئے اب خونریز لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ یوں تو پہلی لڑائیاں بھی نہایت عظیم الشان ہوئیں لیکن چوتھی لڑائی جو آخری تھی۔ سب سے زیادہ خونریز اور سخت تھی۔ اس لڑائی میں آنحضور صلعم بھی شریک ہوئے تھے۔ اسوقت حضورؐ کی عمر پندرہ برس کی تھی۔ آپ اپنے چچا زبیر بن عبدالمطلب کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے تھے اس لڑائی میں بعض سرداروں نے اپنے پاؤں میں زنجیریں اس لئے ڈال رکھی تھیں تاکہ میدان جنگ سے بھاگنے کا خیال بھی پیدا نہ ہوسکے۔ بنو کنانہ کے تمام قبائل کے سردار جدا جدا تھے لیکن تمام سپہ سالاروں کا سالار اعظم آنحضور صلعم کے چچا حضرت زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ اس لڑائی میں اول اول تو بنی ہوازن غالب معلوم ہوئے" رہے لیکن فوراً ہی وہ مغلوب ہوگئے اور بنی ہاشم کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔ اسی وقت سے خاندان بنی ہاشم کا اثر واقتدار اور بھی بڑھ گیا تھا۔ اور ہر قبیلہ اس سے دبنے لگا تھا۔ یہ لڑائی ایام جاہلیت کی سب سے آخری لڑائی تھی اس لڑائی میں بیحد قتل وخونریزی ہوئی تھی کہ مدتوں اسکی یاد تازہ رہی۔ تمام عربی قبائل کا کس بل اس جنگ میں نکل گیا۔ مگر عربوں کی جنگجویانہ فطرت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

ابوجہل نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا۔ تو کیا ہم محمدؐ سے تعرض نہ کریں انہیں اپنے معبودوں کی توہین اسی سرگرمی کے ساتھ کرنے دیا جائے۔

حضرت عمرؓ نے کہا کم سے کم میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ قتل کر دے جائیں اس سے بڑے فتنہ کے پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ بلکہ مناسب یہ ہے کہ انہیں سمجھاؤ۔ ان پر سختیاں کرو۔ لیکن قتل نہ کرو۔

ابوجہل ۔ اور جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں انکے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟

حضرت عمرؓ ۔ وہ جن لوگوں کے رشتہ دار۔ یا غلام ہیں وہی لوگ ان پر اسقدر سختیاں کریں کہ وہ نئے مذہب سے روگرداں ہو کر پھر اپنے معبودوں کی طرف جھک جائیں۔

ولید بن مغیرہ نے کہا مشورہ تو مناسب ہے۔ میں اس تجویز میں اسقدر اضافہ اور کرتا ہوں کہ جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں ان پر عوام کے سامنے سختیاں کیجائیں تاکہ دوسروں کیلئے درس عبرت ہو اور پھر کوئی مسلمان ہونے کی جرأت نہ کر سکے۔

عیاص بن وائل سہمی نے کہا۔ میرے خیال میں یہ تجویز نہایت مناسب ہے۔ اسوقت تک جو لوگ مسلمان ہوئے ہیں۔ ان میں زیادہ تر غلام اور مفلس لوگوں کی ہے جب ان پر سختیاں ہوں گی تو وہ اپنے آبائی مذہب کی طرف راغب ہو جائیں گے اور چونکہ لوگوں کو ان کی حالت دیکھکر عبرت ہوگی۔ اسلئے پھر کوئی نئے مذہب کو اختیار نہ کرے گا۔

سب نے اس تجویز کی پرزور تائید کی اور بالاتفاق یہ طے پا گیا کہ مسلمانوں پر عوام کے سامنے اسقدر سختیاں کیجائیں کہ وہ مجبور ہو کر اسلام کو چھوڑ دیں اور اپنا آبائی مذہب اختیار کریں۔

اس قرار داد کے بعد عتبہ بن ربیعہ نے کہا اب ان لوگوں کے نام بتا دیئے جائیں جو مسلمان ہو چکے ہیں۔

ابو جہل نے کہا میں نے جہاں تک ہو سکا مسلمانوں کی فہرست تیار کر لی ہے ان میں صرف ایک دو ہی ایسے معزز لوگ ہیں جنکا ہم کچھ نہیں بگاڑ سکتے ورنہ سب کے سب ہمارے قابو کے ہیں اور ہم ان پر خاطر خواہ سختیاں کر سکتے ہیں جو نام مجھے اسوقت تک معلوم ہو سکتے ہیں۔ میں یہ بتاتا ہوں حضرت خدیجہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ حضرت علی کرمؒ۔ حضرت عثمانؓ۔ یہ لوگ تو شرفائے قریش سے ہیں۔ اور ان لوگوں پر سختیاں کرنا دشوار ہے۔

ایک ضعیف العمر شخص نے کھڑے ہو کر کہا۔ ان میں سے ایک عثمانؓ ہے جو میرا بھتیجہ ہے اگر اس نے اسلام نہ چھوڑا تو میں اسے مارتے مارتے مار ڈالونگا۔ یہ ضعیف العمر حضرت عثمانؓ بن عفان کا چچا تھا۔ لوگوں نے اسکے جوش کی تعریف کر کے اُسے حضرت عثمان پر سختیاں کرنے کے لئے اُکسایا۔

جب وہ خوب جوش و غضب سے بھر گیا تو ابو جہل نے کہا۔ اب اُن لوگوں کے نام سنو۔ جن پر ہم میں سے کسی نہ کسی طرح اثر و حق ہے۔

لوگ پھر اسکی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس نے کہا۔ جناب بن الارتؓ ام انمار کا زر خرید غلام (حضرت بلالؓ) امیہ بن خلف کا غلام۔ حضرت عمارؓ اسکے باپ حضرت یاسر اسکی ماں سمیتہ ابو حذیفہ کے پروردہ۔ صہیبؓ عبداللہ بن جدعان کا غلام (حضرت) ابو فکیہہ صفوان بن اُمیتہ کا غلام (حضرت) لبنیتہ (حضرت) عمرؓ کی کنیز۔ حضرت زنیرہؓ (حضرت عمرؓ کے خاندان کی کنیز۔ (حضرت) النہدیہؓ اور حضرت ام عبیس خاندان

ہاشم کی کنیزیں۔ حضرت زبیرؓ بن العوام۔

اب تک جن لوگوں کے نام معلوم ہو سکے وہ یہی ہیں۔ میں نے مسلمانوں کے پیچھے جاسوس لگا رکھے ہیں۔ وہ مزید لوگوں کے معلوم کرنیکی کوشش کر رہے ہیں اور جب مزید نام معلوم ہونگے تو آپکے سامنے پیش کر دئے جائینگے۔ اب یہ طے کیجئے کہ ان لوگوں پر سختیاں کب سے شروع کی جائیں۔

ابوسفیان نے کہا۔ تعویق و دیر کی ضرورت نہیں۔ کل سے سب لوگ اپنے اپنے متعلقین اور منوسلین پر سختیاں شروع کر دیں۔ اس بڑھتے ہوئے فتنہ کو جس قدر جلد ممکن ہو دبا دینا چاہیے۔

سب نے اس تجویز کی تائید کی۔ اس قرارداد کے بعد مجلس شوریٰ ختم ہو گئی۔ لوگ اُٹھے اور اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے۔ مگر جو لوگ اس مجلس میں شریک تھے سب کے چہرے غیظ و غضب سے سُرخ ہو رہے تھے انکے دلوں میں جوش اور طبیعتوں میں اشتعال تھا۔ انھیں اسقدر غصہ آ رہا تھا۔ کہ اگر کوئی مسلمان اسوقت انکے سامنے آجاتا تو وہ اُسے بیدریغ قتل کر ڈالتے۔

یہ وہ مجلس شوریٰ تھی جس نے تمام قبائل میں مسلمانوں کے خلاف نفرت و حقارت اور جوش و غضب کی لہر دوڑا دی۔

مسلمان بیچارے چپکے پھرتے تھے۔ انھیں اس مجلس اور مجلس کی وضع کردہ تجاویز کا کچھ بھی علم نہ ہوا۔ اگر انھیں معلوم ہو جاتا۔ تو شاید وہ ان لرزہ براندام شدائد و مصائب سے بچ جاتے۔ جو ان پر نازل ہونیوالے تھے مگر خدائے قدوس کو مسلمانوں کی آزمائش مقصود تھی۔ اسلئے وہ ناواقف رہے۔

پندرہواں باب

رُوح فرسا مظالم

چونکہ تمام قریش۔ قریش کے سارے قبیلے۔ دوسرے تمام قبائل دیکھ رہے تھے کہ انکے معبودوں کی۔ جن کی وہ اور اُنکے باپ دادا پرستش کرتے چلے آئے تھے۔ عظمتؔ و عزت مٹ رہی ہے اور ملت بُت پرستی خطرہ میں پڑگئی تھی۔ اسلئے سب کو جوش تھا غصّہ تھا۔ اس جوش اور غصہ نے ان کا دماغی توازن صحیح نہ رہنے دیا تھا اور عقل و خرد سے بیگانہ کر دیا تھا۔ صرف انھیں ایک ہی بات کا خیال رہ گیا تھا اور وہ صرف یہ تھا کہ جس طرح ممکن ہو مسلمانوں کو ستا کر دبا کر جادہ مستقیم سے پھیر دیں۔ اسلام ترک کرنے پر مجبور کریں اور پھر انھیں اپنے آبائی مذہب میں داخل کرلیں۔

اس خیال نے انھیں ظلم و ستم کرنے کی طرف مائل کر دیا۔ زبیرؓ کا چچا جس وقت اپنے گھر پہنچا۔ تو سخت غضبناک تھا۔ جب اُس طرف حضرت زبیرؓ کو دیکھا تو لپک کر اسکے سر کے بال پکڑ کر کھینچتے ہوئے دریافت کیا۔ بدبخت زبیرؓ! کیا تم بھی مسلمان ہوگئے۔

حضرت زبیرؓ نے ملائمت سے جواب دیا! یا عم ہاں میں بھی مسلمان ہوگیا ہوں!

ان کے چچا کو بڑا غصہ آیا۔ انھوں نے ان کے سر کے بال اس زور سے کھینچے کہ حضرت زبیرؓ کے آنسو نکل آئے۔ بڈھے چچا نے کہا۔ او ننگ خاندان تم مسلمان کیوں ہو گئے ہو؟

اگرچہ حضرت زبیرؓ جوان تھے۔ طاقتور تھے۔ چاہتے تو چچا کو اٹھا کر پھینک دیتے لیکن وہ اپنے چچا کا احترام کرتے تھے۔ اپنے بزرگ کی شان میں گستاخی کی ہمت نہ ہوئی۔ آہستہ سے بولے! یا عم اسلام توحید کی تعلیم دیتا ہے۔ میں اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے پتھر کے خداؤں کو چھوڑ کر اس خدا کا پرستار بن گیا ہوں جو خالق کائنات ہے اور جس کے حکم کے بغیر ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ ان کے چچا کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے کہا۔

سن کان کھول کر سن! یا تو تو اسلام چھوڑ دے ورنہ میں تجھے ایسی سخت سزا دوں گا کہ لوگ تیری حالت زار پر افسوس کرینگے۔

حضرت زبیر نے کہا۔ یا عم! اور جو آپ فرماویں بسر و چشم قبول کرنے کو تیار ہوں مگر اسلام کو چھوڑوں یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا۔

یہ سن کر ان کے چچا کو سخت طیش آیا۔ اس نے کہا تیری اسقدر جرأت .... اچھا دیکھوں تو کیسے اسلام کو نہ چھوڑیگا۔

یہ کہتے ہی بڈھے نے حضرت زبیر کو کھجور کی چٹائی میں لپیٹ دیا اور ادنی کپڑے کی مشعل بنا کر اُسے جلایا اور حضرت زبیرؓ کی ناک میں دھواں دینا شروع کیا۔ جب تک ممکن ہوا حضرت زبیر نے سانس روکے رکھا۔ لیکن کب تک روکتے آخر نہ روک سکے اور دھواں دماغ میں پہنچا۔ اسلئے آپ کو بڑی تکلیف

ہوئی۔ اگر آپ دھوئیں کی طرف سے منہ پھیرنا چاہتے تو ظالم چچا ان کے سر کے بال پکڑ کر پھر دھوئیں کی طرف کر دیتا۔

دھوئیں سے آپکو اسقدر تکلیف پہنچی کہ آپ پر غشی کی حالت طاری ہوگئی۔ انکے چچا نے ان کی یہ حالت دیکھکر کہا۔ بدبخت زبیر اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ توبہ کر لے اسلام کو چھوڑ دے اور اپنے آبا و اجداد کے مذہب کی طرف جھک جا۔

اگرچہ آپ کو سخت تکلیف ہو رہی تھی دھوئیں کے زہریلے جراثیم نے دل و دماغ دونوں کو مسموم کر دیا تھا۔ لیکن اسلام کا ایسا نشہ نہ تھا۔ جو اس دھوئیں سے اُتر جاتا۔ آپ نے فرمایا۔ اے عم اگر آپ مجھے دھواں دے دے کر مار بھی ڈالیں گے تب بھی میں اسلام کو نہ چھوڑوں گا۔

بڈھے کو ان کے اِس جواب سے تعجب بھی ہوا اور غصہ بھی اسقدر آیا کہ اپنے ہاتھ اپنے ہی دانتوں سے کاٹنے لگا۔ اُس نے کہا۔ دیکھونگا کہ تو کب تک اسلام کو نہیں چھوڑے گا۔

یہ کہکر اس نے دھواں اور ناک کے قریب کر دیا۔ اس دھوئیں سے حضرت زبیرؓ کو اسقدر تکلیف ہوئی کہ آپ بیہوش ہوکر گر پڑے۔ ظالم چچا کو بیہوش دیکھکر بھی رحم نہ آیا۔ وہ بیٹھ گیا اور انھیں برابر دھواں دیتا رہا۔ یہاں تک کہ تمام کپڑا جل کر راکھ ہوگیا اور بڈھا بھی تھک گیا۔

تھک کر اس نے زبیرؓ کو چھوڑ دیا۔ حضرت زبیرؓ دنیا و مافیہا سے بیخبر بیہوش پڑے تھے۔ نہ کسی نے انھیں اُٹھایا۔ نہ ہوش میں لانے کی کوشش کی۔

جس وقت حضرت زبیرؓ پر یہ سختی گذر رہی تھی۔ اسی وقت حضرت عثمان بن عفانؓ کو انکے چچا نے بلاکر دریافت کیا۔ لخت جگر کیا یہ سچ ہے کہ تو مسلمان ہوگیا ہے؟ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا۔

یا عم! یہ صحیح ہے اگرچہ میں جانتا ہوں کہ اس خبر سے آپکے دل کو تکلیف پہنچی ہوگی۔ لیکن آپ جہاندیدہ ہیں۔ سوچئے ہم آج تک کس گمراہی میں مبتلا رہے ہیں۔ ہم اور ہمارے آباؤ اجداد پتھر کے اُن بتوں کو پوجتے رہے ہیں جو اپنے اوپر بیٹھی ہوئی مکھی تک کو نہیں اُڑا سکتے۔ کیا خدا ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ہم جہاں انہیں اُٹھاکر رکھ دیتے ہیں۔ پڑے رہتے ہیں۔ سچ پوچھئے تو ہم اُنکے مالک ہیں ہم نے انکو پتھر تراش کر بنایا ہے۔ وہ خدا ہرگز نہیں ہو سکتے۔ یا عم۔ خدا تو وہ ہے جس نے جہاں کو پیدا کیا ہے۔ جو دلوں کی باتیں جانتا ہے زندگی اور موت پر قادر ہے۔ واللّٰہ علی کل شیئٍ قدیر یعنی اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہ سن کر انکے چچا کو بیحد غصہ آیا اور اُس نے کہا!

اللہ قادر ہے ہر چیز پر! کم بخت تو ان دیکھے خدا کو پوجتا ہے۔ بیوقوف اپنے باپ دادا کے مذہب کا پرستار بن گیا ہے یا تو تُو اس مذہب کو چھوڑدے ورنہ میں تجھے قتل کرڈالونگا۔

حضرت عثمانؓ نے کہا۔ چچا! کیا تم جانتے ہو کہ جس شخص نے تمام عمر اندھیرے میں گذاری ہو اور اب اُسے روشنی مل گئی ہو۔ وہ روشنی کو چھوڑکر پھر اندھیرے میں جا پڑے ایک عقلمند آدمی کبھی ایسا نہیں کرسکتا۔

ان کے چچا کو یہ سن کر طیش آیا اور اس نے کہا۔ اچھا تو اندھیرے سے

روشنی میں آگیا ہے۔ دیکھ! یہ روشنی ہی تیری موت کا پیغام ثابت ہوگی۔

یہ کہہ کر اس نے حضرت عثمانؓ کو کھجور کی رسیوں سے جکڑ کر دُرّے سے بیدریغ پیٹنا شروع کر دیا اور اسقدر پیٹا کہ آپکا تمام بدن لہولہان ہوگیا۔

حضرت عثمانؓ بڑے متمول تھے۔ ذی عزّت تھے۔ آپکے بہت سے ملازم اور غلام تھے۔ آپ کو ملازمین اور خدّام کے سامنے زدوکوب کیا گیا تھا۔

مطلب صرف اِس سے تھا کہ کسی طرح غیرت آئے۔ اِسلام کو چھوڑ دیں مگر آپ پٹتے رہے۔ تمام بدن مجروح ہوگیا۔ سخت تکلیف ہوئی۔ آپ نے تکلیف برداشت کرنے کے لیئے ہونٹوں کو دانتوں میں دبالیا۔

آہ تو آہ! اُف تک بھی نہ کی اور اسلام کو چھوڑنے کا وسوسہ تک پیدا نہ ہوا آپ نے اگر کچھ کہا تو صرف یہ کہ "میرے جسم کے ٹکڑے کر ڈالو۔ چاہے جس قدر اذیتیں دو۔ لیکن یہ نہ ہوگا اور ہرگز نہ ہوگا کہ میں اسلام کو چھوڑ دوں۔ میں زندگی کے آخری سانس تک مسلمان ہی رہوں گا۔

ان کے چچا آپ کی اس بات پر اور بھی برہم ہوئے اور اُس نے پوری طاقت سے عثمان کو مارنا شروع کر دیا۔

چمڑے کا درّہ تھا۔ بدن کے جس حصّہ پر پڑتا تھا۔ کھال ادھیڑ دیتا تھا۔ تمام بدن زخموں سے چور تھا اور تمام جسم سے خون فوّارہ کی طرح اُبل رہا تھا۔ سنگدل سے سنگدل کو بھی ان کی حالتِ زار پر رحم آنے لگا تھا۔ اگر رحم نہ آیا تو انکے ظالم اور وحشی چچا کو وہ برابر آپ کو مارتا رہا۔

یہانتک کہ آپ بیہوش ہوکر گر پڑے۔ اب بیرحم چچا نے کہا ......

اُسے لے جاکر ایک کوٹھری میں بند کردو۔ کل پھر اسکو سزا دیجائے گی!

غلاموں نے حضرت عثمانؓ کو لے جاکر ایک تاریک و تار کوٹھری میں ڈال دیا۔ دوسرے دن پھر انھیں نکالا اور پھر زدوکوب کرنا شروع کیا۔ آپ کے چچا نے اسوقت تک مارا جب تک اس کے بدن میں طاقت رہی جب وہ تھک گیا تب چھوڑا۔

آج تمام مکہ میں پرجوش کفار کے گروہ گلی ور گلی پھر رہے تھے۔ آج کا دن مسلمانوں پر سختیاں کرنے کے لئے مقرر تھا۔ ہر شخص اپنے اپنے ملازموں کی تاک جھانک میں گھر سے نکلا تھا۔

مسلمان کمزور تھے۔ بیکس تھے۔ بے بس تھے۔ مکہ کا بچہ بچہ انکا دشمن تھا۔ انھیں خواب میں بھی یہ خیال نہ تھا۔ کہ ان پر مکہ کے وحشی باشندے صبرآزما سختیاں کریں گے۔ وہ درندگی اور بربریت کا نشانہ بنیں گے اور ان پر انتہائی ظلم وستم کئے جائیں گے۔

حضرت عمرؓ بڑے بہادر اور نہایت سخت تھے۔ آپ کی بہادری ضرب المثل تھی۔ تمام قبائل آپ کی شجاعت وبسالت کے قائل اور مداح تھے۔ آپ کو معلوم ہوچکا تھا کہ آپ کی کنیز لبنیتہ مسلمان ہوگئی ہے۔ آپ اس مُسلمہ کے بال پکڑ کر کھینچتے ہوئے باہر لائے۔

آپ نے غیظ و غضب میں بھر کر دریافت کیا۔ بدبخت کنیز کون ہے کسیج نے تجھے مسلمان ہونے پر آمادہ کیا۔

لبنیتہ پہلے تو ڈری۔ عورت ذات تھی۔ کمزور تھی کنیز بھی گھبرا گئی۔ مگر

جب حضرت عمرؓ نے اس سے دریافت کیا کہ کون سے لالچ سے وہ مسلمان ہوئی ہے، تو اُسے ہوش آگیا۔ اس نے جواب دیا۔ یا عمرؓ! کسی حرص و آز نے مجھے مسلمان ہونے پر نہیں اکسایا۔ حضرت محمدؐ کوئی مالدار نہیں ہیں۔ بادشاہ نہیں ہیں حاکم نہیں ہیں۔ ان کے پاس کیا رکھا ہے ....

حضرت عمرؓ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ پھر تو مسلمان کیوں ہوئی؟

لبنیتہ نے جواب دیا۔ اسلئے کہ اسلام صرف ایک خدا کی پرستش کا حکم دیتا ہے۔ بتوں کی پوجا سے منع فرماتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے غضبناک ہو کر کہا بیوقوف عورت! خیالی خدا کو پوجتی ہے کمبخت! کمینی اسلام کو چھوڑ دے۔

لبنیتہ نے عاجزی سے کہا۔ میرے آقا یہ ناممکن ہے!

حضرت عمرؓ کو غصہ آیا۔ اُنھوں نے اسے مارنا شروع کیا۔ ایک کمزور عورت ایک طاقتور مرد کی مار کیسے برداشت کرتی۔ لبنیتہ تڑپنے لگی۔ بلکنے لگی چہرہ زرد پڑ گیا۔ لیکن ضبط و تحمل سے برداشت کرتی رہی۔ یہاں تک کہ حضرت عمر مارتے مارتے تھک گئے۔

آپ ایک طرف بیٹھ گئے اور کنیز سے بولے لبنیتہ! میں نے تجھکو رحم کی بنا پر نہیں چھوڑا۔ بلکہ۔ اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ میں تھک گیا ہوں۔ زندگی چاہتی ہے تو اسلام کو چھوڑ دے۔

لبنیتہ نے استقلال بھرے لہجہ میں جواب دیا۔ یا عمرؓ اگر تم میری بوٹی بوٹی تک اُڑا دو۔ ہڈیاں توڑ دو۔ تو بھی یہ غیر ممکن ہے کہ میں اسلام کو چھوڑ دوں گی

تم سے عاجزی کے ساتھ کہتی ہوں کہ تم بھی مسلمان ہو جاؤ!

حضرت عمرؓ کو اس کے اس جواب پر بڑا طیش آیا۔ اگرچہ وہ کنیز کو مارتے مارتے تھک گئے تھے۔ لیکن اس کی گفتگو سے انھیں اسقدر اشتعال آیا کہ انھوں نے پھر مارنا شروع کر دیا۔

جب لبنیہؓ پیٹی جا رہی تھی۔ بہت سے لوگ اُسکے گرد آ آ کر جمع ہو گئے تھے اور ہر شخص اُسے بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ گالیاں دے رہا تھا لیکن نہ اُسے کسی کی گالیوں کی پرواہ تھی نہ مار کی۔

وہ بے زبان جانور کی طرح پیٹی جا رہی تھی یہاں تک کہ وہ بیدم ہو کر گری اور گرتے ہی بیہوش ہو گئی۔

اس جگہ کافی مجمع ہو گیا تھا۔ لوگ بڑے جوش اور غصہؔ میں بھرے ہوئے کھڑے کنیز کے پٹنے کا تماشہ دیکھ رہے تھے کہ ایک طرف سے ایک عظیم شور و غل کی آواز آئی۔ لوگ اس طرف دیکھنے لگے۔ ادھر سے سینکڑوں آدمی ایک سیاہ رنگ کے شخص کو رسّی میں جکڑے ہوئے لاتے نظر آئے۔ اس مجمع نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ حضرت بلالؓ تھے۔ انکے ساتھ اشرار و کفّار کا انبوہ کثیر تھا سب کے سب جوش و غضب سے دیوانے بنے ہوئے تھے۔

حضرت بلالؓ کو گھسیٹتے ہوئے لا رہے تھے۔ لات۔ مکّے۔ گھونسے۔ کھجوروں کی قمچیاں۔ چمڑے کے سانٹے مارتے آ رہے تھے۔ بعض بعض کنکر اور پتھر بھی مار رہے تھے۔ ایک جلیل القدر شخص انکے ساتھ تھا۔ یہ اُمیہ بن خلف تھا حضرت بلالؓ اسکے غلام تھے وہ آواز دے دیکر کہہ رہا تھا مارو

مارو اس بدبخت کو خوب مارو! یہ مسلمان ہو گیا ہے۔

جب وہ مارنے کیلئے کہتا۔ تو لوگ زور زور سے انکو مارتے حضرت بلال پِٹ رہے تھے۔ آپکا تمام بدن زخمی ہو گیا تھا زخموں سے خون بہ رہا تھا مگر آپ تھے کہ نہ زخموں کی پرواہ تھی اور نہ خون نکلنے کا وسواس تھا۔ نہ آپکے لبوں پر آہ تھی۔ نہ کسی کا شکوہ اور نہ چہرہ سے کسی قسم کا حُزن ملال ظاہر تھا۔ جب آپکے کوئی پتھر آکر لگتا۔ یا کوئی گھونسہ یا لات مارتا تو آپ نعرہ لگاتے احدٌ احدٌ اللہ احد اللہ الصمد یعنے اللہ ایک ہے اللہ پاک ہے۔

جب آپ احَدٌ کا نعرہ لگاتے اللہ احد کہہ کر پکارتے تو کفار مکہ سخت غضبناک ہو کر ان پر پہلے سے زیادہ تیروں اور پتھروں کی بارش کرتے آپ کہتے مارو۔ مجھے خوب مارو۔ میں مسلمان ہوں۔ ایک خدا کا پرستار ہوں۔ خدا نے مجھے اسلئے پیدا کیا ہے کہ میں اسکا نام لوں اور پِٹوں۔ خدا کی قسم اس پٹنے میں بھی لذت ہے۔ مارو مجھے مارتے مارتے مار ڈالو۔

ان وحشی۔ سنگدل۔ درندہ صفت انسانوں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو ان پر رحم کھاتا۔ بیرحم بھیڑیوں سے انھیں بچاتا۔ سب وحشی درندے تھے۔ وحشیانہ طریقہ پر پتھر مارتے رہے۔ اسوقت آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا تھا۔ اسکی شعاعیں سیدھی ہو کر نیزہ کی انی کی طرح بدنوں میں پیوست ہوتی جاتی تھیں۔ اور در و دیوار تپنے لگے تھے۔ ریت اسقدر گرم ہو گیا تھا کہ اس پر ننگے پیروں چلنا دشوار ہو گیا تھا۔ یہ لوگ حضرت بلال رضؓ کو گھسیٹتے ہوئے مکہ سے باہر لے گئے انھیں تپتے ہوئے ریت پر کھڑا کیا۔ کپڑے اُتار کر ننگے جسم کر دئے گئے۔ جس قدر جس

سے مارا گیا مارا۔ پھر جلتے ہوئے ریت پر لٹا دیا گیا۔ ایک بڑا پتھر آپکے سینہ پر رکھ دیا گیا تھا۔ تاکہ آپ کروٹ لیکر ریت کی سوزش اور تپش سے بچنے کے لیئے کوشش نہ کر سکیں۔

آپ چت پڑے ہوئے تھے۔ وزنی پتھر جسکو کئی آدمیوں نے اٹھاکر آپکے سینہ پر رکھ دیا تھا سینہ پر دھرا ہوا تھا۔ آپ حرکت تک نہ کر سکتے تھے بدن جھلس رہا تھا۔ پیاس کی شدت کے باعث زبان اور تالو میں کانٹے سے جم گئے تھے۔ مگر آپ صبر و شکر سے یہ تمام سختیاں برداشت کر رہے تھے اُف بھی نہ کرتے تھے۔ اگر کبھی نعرہ لگاتے تھے تو وہی اَحَد کا پکارتے تھے۔ تو اس خدا کو جس کی عظمت و جلال کے وہ قائل تھے۔ کفار مکہ کو اگر ضد تھی تو اَحَد کے نام سے۔ جب حضرت بلالؓ اَحَد کا نعرہ لگاتے اللہ الصمد کہتے کافروں کے تن بدن میں آگ لگ جاتی۔ برافروختہ ہو جاتے۔ پتھر مارتے سینہ پر رکھے ہوئے پتھر پر کھڑے ہو جاتے۔

اُمیہ بلند آواز سے کہتا۔ بلالؓ چھوڑ دے۔ اس کلمہ کو چھوڑ دے۔ اسلام کو چھوڑ، چھوڑ دے تجھے آزاد کر دونگا۔ تجھے دولت دونگا۔ تو عزت کے ساتھ۔ آرام کے ساتھ۔ عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔

حضرت بلالؓ کہتے اُمیہ! میں جب تک زندہ ہوں اَحَد کا نعرہ لگاؤنگا اسلام میری رگ رگ میں بس گیا ہے۔ جب تک رگوں میں خون جاری ہے اسلام کا حلقہ بگوش رہونگا۔ کوئی لالچ مجھے اسلام سے نہیں پھیر سکتا۔

اُمیہ غضبناک ہوتا۔ وہ کفار کو اشارہ کرتا۔ اور کافر دل کھولکر حضرت

بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مارتے۔

جس وقت حضرت بلال رضؓ پر سختیاں اور صبر آزما ستم ہو رہے تھے۔ اسی وقت انکے قریب ہی صہیب رضؓ بھی رسیوں سے بندھے جکڑے پڑے تھے۔ قریش انکو مارتے تھے۔ انھیں چت لٹایا ہوا تھا اور انکے سینہ پر دو قوی ہیکل عرب کھڑے تھے اور وہ دونوں کہہ رہے تھے کہ صہیب خدا کا نام مت لے۔ زندگی چاہتا ہے تو بتوں کو معبود مان۔ انکی خدائی کا اقرار کر اور انہی کے آگے سر جھکا۔ حضرت صہیب رضؓ سخت تکلیف میں تھے۔ جلتے ہوئے ریت پر پڑے تھے۔ ننگا بدن تھا۔ گرم ریت نے تمام بدن میں سوزش پیدا کر دی تھی۔ انھیں مارا جا رہا تھا انکے سینہ پر دو آدمی کھڑے تھے۔ پسلیاں دبی جا رہی تھیں۔ موت اور زندگی کا سوال تھا۔ لیکن اسلام نے انکے دل کو اسقدر سخت کر دیا کہ باوجود اس قدر تکالیف کے زبان سے یہی نکلتا تھا کہ مرتے دم تک اسلام کو نہ چھوڑوں گا۔ تم مارو۔ یہاں تک مارو کہ میں مارتے مارتے مر جاؤں۔

قریش اس نعرۂ حق کو سنکر مزید غضبناک ہوئے اور انھوں نے انکے سر کو پتھروں سے کچلنا شروع کر دیا۔ آپکا سر پھٹ گیا۔ خون کا پرنالہ بہ گیا اور حواس منتشر ہو گئے۔ بیہوشی طاری ہو گئی۔ آپ نے بیہوشی کے عالم میں پانی مانگا۔ ان درندہ صفت انسانوں کے پاس بہائم صفت لوگوں میں ایک آدمی بھی ایسا نہ تھا۔ جو ایک بیکس اور بے بس مسلمان کے گلوئے خشک میں پانی کے چند قطرے ٹپکا دیتا۔

حضرت صہیب رضؓ بے دم ہو گئے۔ انکے چہرہ پر زردی چھا گئی۔ آنکھیں حلقوں

میں دھنس گئیں۔ جسم بے حرکت ہوگیا۔ مگر سانس ابھی تک آرہا تھا۔

کفارِ مکہ کو مسلمانوں سے کچھ ایسی کدسی ہوگئی تھی۔ کہ انکے بیہوش ہوجانے پر بھی انھیں ان پر رحم نہ آتا تھا۔ وہ انتہائی سنگدلی۔ انتہائی بربریت۔ انتہائی شقی القلبی سے انھیں برابر تکالیف دیئے جا رہے تھے۔

مسلمان تختۂ مشق جفا بنے ہوئے تھے۔ خدا کی وسیع زمین ان پر تنگ ہورہی تھی انتہائی سختیاں ان پر کیجا رہی تھیں۔ مگر ان پر اسلام کا ایسا گہرا رنگ چڑھ گیا تھا۔ جو شدائد و مصائب برداشت کرنے پر بھی نہ اُترتا تھا کوئی سختی بھی ان کو جادۂ مستقیم سے متزلزل نہ کرسکی۔

جس جگہ مسلمانوں پر سختیاں کی جارہی تھیں۔ وہاں کفارِ مکہ کا انبوہ کثیر جمع تھا۔ عورتیں مرد بچے۔ ہزاروں کی تعداد میں کھڑے تھے۔ اگرچہ دوپہر کا وقت تھا اور دھوپ اس قدر تیز تھی کہ دماغ تک پگھل رہے تھے۔ ریت اس قدر گرم ہوگیا کہ ننگے پیر چلنے والوں کے تلووں میں آبلے پڑ گئے تھے اور گرم تند ہوا کے جھونکے جسموں کو جھلسے دیتی تھی۔ لیکن کفارِ مکہ تھے کہ جنھیں مسلمانوں پر ظلم وستم کرنے سے کچھ ایسا حظ حاصل ہورہا تھا۔ کہ وہ گرم ریت پر کھڑے ہوئے ظلم وستم کررہے تھے۔ تیز دھوپ اور گرم ہوا کی پرواہ نہ کرتے تھے۔

جب حضرت صہیبؓ بیہوش ہوگئے تو مکہ کی طرف شور وغل بلند ہوا۔ سب نے اس طرف نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھا۔ اس طرف سے سَو سَوا سَو کفار تین مسلمانوں اور ایک عورت کو گھسیٹ کر لاتے ہوئے نظر آئے۔

ان کے آگے ابوجہل۔ ابولہب۔ حمزہؓ۔ عباسؓ۔ صفوان۔ ولید اور

بہت سے اشرار و کفار آ رہے تھے۔ ان میں ایک حضرت ابو فکیہہ بھی تھے۔
حضرت ابو فکیہہؓ کے پاؤں میں رسی بندھی ہوئی تھی چند آدمی اس رسی کو کھینچتے ہوئے لئے آ رہے تھے۔ حضرت ابو فکیہہؓ لمبے پڑے ہوئے گھسٹتے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ آپ برہنہ جسم کئے ہوئے تھے۔ تمام جسم چھل رہا تھا۔ زخموں پر گرم ریت چپک گیا تھا۔ جو انتہائی تکلیف دے رہا تھا۔ جب ان شیطانوں کا گروہ حضرت بلالؓ کے قریب آیا تو ایک گبریلہ نکل کر رینگا۔
اُمیہ اس جگہ کھڑا تھا۔ اُس نے آواز دیکر از رہِ تمسخر کہا۔
ابو فکیہہؓ! دیکھ! تیرا خدا یہ ہے۔
ابو فکیہہ نے سر اٹھا کر گبریلہ کو دیکھا۔ انھوں نے کہا اُمیہ تمسخر نہ اڑا میرا اور تیرا دونوں کا خدا اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ جس نے مجھے۔ تجھے اور اس کائنات کو جس میں تو اور میں رہتے اور سانس لیتے ہیں پیدا کیا ہے۔
اُمیہ نے بگڑ کر کہا۔ بدبخت خدا ہمارے معبود ہیں۔ وہ معبود جن کو ہم اور ہمارے آبا و اجداد۔ سارا عرب پُوجتے چلے آئے ہیں۔
حضرت ابو فکیہہؓ نے کہا۔ پتھر کے بت! اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے مجسمے۔ منادر میں دانستہ مورتیں خدا نہیں ہو سکتے۔ خدا تو وہ ہے۔ جس کے ہاتھ میں موت و زیست کا سوال ہے۔ جو پانی برساتا ہے۔ ہوا چلاتا ہے چھپی اور کھلی چیزوں سے واقف ہے وہ اکیلا اور وحدہٗ لاشریک ہے۔
یہ سُن کر اُمیہ کو بڑا غصہ آیا۔ وہ جھکا اور حضرت ابو فکیہہ کا گلا پکڑ کر اس زور سے گھونٹا کہ ان کی آنکھیں اُبل آئیں اور چہرہ تمتما گیا۔ سانس رُک

گیا سب نے سمجھ لیا کہ حضرت ابو فکیہہؓ کا دم نکل گیا۔

اُمیّہ کھڑا ہوا۔ کھڑا ہو کر حضرت ابو فکیہہ کو دیکھنے لگا۔ اُسکے دیکھتے ہی دیکھتے اس کا سانس چلنے لگا۔ چڑھی ہوئی آنکھیں درست ہو گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد انھوں نے آنکھیں کھولیں۔ کفار انھیں زندہ دیکھکر سخت حیران ہوئے۔

"اُمیّہ نے کہا فکیہہ بتا خدا کون ہے"؟

حضرت ابو فکیہہؓ نے جواب دیا۔ وہ جس نے مجھے اور تجھے پیدا کیا ہے۔

اُمیّہ نے کہا۔ زبان دراز بدبخت سختیاں اٹھا رہا ہے اور خدا کے نام کی رٹ لگائے جاتا ہے۔

حضرت ابو فکیہہؓ نے کہا جب تک زندہ رہوں گا۔ جب تک میرے دم میں دم باقی رہیگا۔ خدا کا نام لوں گا۔

اُمیّہ نے کہا لوگو! ابھی اِس کا دماغ درست نہیں ہوا۔ ذرا یہ بھاری پتھر تو اسکے سینے پر رکھدو۔

ایک بڑا وزنی پتھر قریب ہی پڑا تھا۔ پانچ چھ من کا تھا۔ کئی آدمیوں نے ملکر پتھر اٹھایا اور حضرت ابو فکیہہؓ کے سینہ پر رکھدیا۔ پتھر گرم تھا۔ وزنی تھا۔ اور اسقدر بوجھل تھا کہ جب حضرت ابو فکیہہ کے سینے پر رکھا تو ان کی زبان نکل آئی۔ تڑپ گئے۔ ہل نہ سکے اور بیدم ہو کر رہ گئے

اُمیّہ نے پوچھا۔ اب بتا کہ خدا کون ہے؟

حضرت ابو فکیہہؓ بول نہ سکتے تھے۔ سانس رُکا جاتا تھا۔ حرکت کرنے کی قدرت نہ تھی۔ انھوں نے اشارہ سے بتایا کہ خدا وہ ہے جو نیلی چھت پر ہے۔

اُمیہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ قریب سے ایک دلدوز چیخ کی آواز آئی۔ سب نے گردنیں اٹھا اٹھا کر دیکھا۔ پہلی ہی نگاہ میں نظر آیا کہ ابو جہل برچھی لئے کھڑا ہے اسکے سامنے حضرت سمیتہؓ حضرت یاسرؓ کی بیوی اور حضرت عمار کی والدہ کھڑی ہیں۔ انکے سینے سے خون کا فوارہ نکل رہا ہے۔ ابو جہل کہہ رہا تھا کمبخت کنیز کیوں جان دیتی ہے۔ اب بھی اقرار کر ہبل سب سے بڑا خدا ہے۔

حضرت سمیتہؓ کے سینے سے خون کا فوارہ اُبل رہا تھا۔ چہرہ پر زردی چھا رہی تھی۔ آنکھیں شدت تکلیف سے حلقوں میں مصروف گشت تھیں لیکن اس پر بھی ان کی زبان پر خدا کی وحدانیت کا اقرار تھا۔ انھوں نے کہا۔

ہبل خدا نہیں بت ہے۔ پتھر کا مجسمہ ہے خدا وہ ہے جو خالق کائنات ہے ارض وسما کا مالک ہے۔ ہر وقت اور ہر جگہ موجود رہتا ہے۔

ابو جہل کا چہرہ شدت غیظ و غضب سے متغیر ہو گیا اُس نے چلا کر کہا:۔

او خدا کی دیوانی! دیکھوں تیرا خدا تجھے میرے ہاتھوں سے کیسے بچاتا ہے بُلا اپنے خدا کو! بلا۔ آواز دے۔ پکار کر آواز دے۔

حضرت سمیتہؓ نے کہا۔ خدا کو چلا کر پکارو یا آہستہ سے۔ وہ سنتا ہے دیکھتا ہے۔ اپنے نیک بندوں کا امتحان لیتا ہے۔ ابو جہل! سوچ کیا پتھر کی تصویریں جنھیں تم نے یا تمہارے باپ دادا نے خود تراشا ہے خود بنایا ہے۔ خدا ہو سکتے ہیں۔ بخدا نہیں! خدا وہی ہے جو تمام دُنیا کا خالق و رزاق ہے۔ عزت۔ و ذلت۔ موت اور زندگی اسی کے ہاتھ میں ہے۔

ابو جہل غم و غصہ سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ اُس نے غضبناک ہو کر جھنجھلا میں

آکر حضرت سمیہؓ کے دل پر برچھی ماری۔ انکی زبان سے اللہ کا پیارا نام نکلا۔ وہ لڑکھڑا کر گر گئیں۔ انکے چہرہ پر مردنی چھا گئی۔ آنکھیں بند ہونے لگیں جسم میں ارتعاش پیدا ہوا نازک لبوں پر سکوت مرگ کے وقت بھی ہلکا سا تبسم کھیلنے لگا۔ انھوں نے آنکھیں کھولکر دیکھا انکی نظروں سے ظاہر تھا کہ وہ ایسی چیزیں دیکھ رہی ہیں جنکو اور لوگ نہ دیکھ رہے تھے وہ مسکرائیں۔ انکا یہ تبسم آخری تھا موت نے انکی تمام تکالیف کا خاتمہ کر دیا

درندگی اور بربریت کا یہ منظر نہایت دلشکن، نہایت خوفناک نہایت نفرت انگیز تھا وہ ایک شریف انسان۔ انسانی سرشت رکھنے والا انسان اس بہیمانہ منظر کو دیکھکر نرم ہو جانا چاہیے تھا لیکن ان وحشی انسانوں میں شریف انسان ایک بھی نہ تھا ان میں کسی کا دل بھی حضرت سمیہؓ کی موت سے متاثر نہ ہوا۔ بلکہ جس طرح سے بھیڑیے کو ایک خون کر کے مزید خون کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے اس طرح وہ بھی خون کرنے میں دلیر ہو گئے۔ تمام کفار یہ چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح مسلمان اسلام کو چھوڑ کر کافر بن جائیں۔ اسلئے وہ مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہے تھے مگر مسلمان تھے کہ سختیاں برداشت کر رہے تھے ظلم سہہ رہے تھے۔ جان دے رہے تھے مگر اسلام کو نہ چھوڑتے تھے۔

حضرت عمارؓ نے جب اپنی والدہ کو شہید ہوتے دیکھا تو محبت نے جوش مارا وہ لپک کر اپنی مردہ والدہ کے پاس بیٹھ گئے انکا سر اٹھا کر اپنے زانو پر رکھا اور انکے غبار آلودہ بالوں کو صاف کرتے ہوئے کہا۔ آہ! امی جان ظالموں نے تجھے ہلاک کر دیا آج میری مسرت کا آفتاب غروب ہو گیا! تم میرے آرام کا خیال رکھتی تھیں اب کون رکھیگا۔ آہ! امی جان میں ایسا بدبخت رہا کہ تمہاری کوئی خدمت

نہ کرسکا آہ مجھے بھی تم اپنے ساتھ لے چلتیں۔ اٹھو پیاری اّمی اٹھو..... آہ خدا....

خدا کا نام لینا کفار کو ظلم وستم کی دعوت دینا تھا۔ جب تک حضرت عمارؓ روتے رہے بین کرتے رہے کفار چپ چاپ سنتے رہے۔ مگر جب انھوں نے خدا کا نام لیا تمام کفار بگڑ گئے۔ سب ان پر برس پڑے۔ انھیں لاتوں گھونسوں اور پتھروں سے مارنا شروع کیا۔ اسقدر مارا کہ وہ بیہوش ہو کر اپنی والدہ کی لاش پر گر پڑے۔

حضرت یاسرؓ بھی قریب ہی کھڑے تھے۔ بیوی کی موت نے سخت مغموم کر دیا تھا بیٹے کے بیہوش ہو جانے سے مزید بیقرار ہو گئے۔ انھوں نے کہا! بدبختو! تم میں ایک بھی خدا کا ایسا بندہ نہیں ہے جو اسکی بیگناہ اور بے زبان مخلوق پر رحم کرے۔

خدا کا نام سنتے ہی کفار کو طیش آگیا۔ انھوں نے اُسے بھی گھونسوں سے زدوکوب کرتے ہوئے کہا۔ بیوقوف بڈھے! خدا کا نام لیتا ہے۔ خیالی خدا کو چھوڑ اور ہمارے معبودوں کا اقرار کر۔ حضرت یاسرؓ نے کہا ناممکن ہے۔ مسلمان اس خدا کی پرستش کرتا ہے۔ جو خالق عالم اور قادر مطلق ہے اسکا سر بتوں کے سامنے کبھی نہیں جھک سکتا۔ ابوجہل نے غیظ سے بھر کر کہا۔ او اجل رسیدہ! تجھے ہمارے معبودوں کے سامنے سر جھکانا پڑیگا۔ حضرت یاسرؓ نے کہا جب تک بدن میں طاقت۔ جسم میں روح اور دماغ میں سوچنے کی قوت باقی ہے تب تک تو غیر امکان ہے کہ میرا سر۔ کیا کسی مسلمان کا سر بھی کسی بُت کے سامنے جھک جائے۔ ابوجہل نے کہا۔ اسقدر زعم اچھا دیکھوں کب تک تو اپنی ضد پر قائم رہیگا۔

یہ کہتے ہی اس نے اپنے آدمیوں کو دو اونٹ لانے کا حکم دیا۔ لوگ دوڑے ہوئے گئے اور جلدی سے دو اونٹ لے آئے دونوں پر عماریاں کسی ہوئی تھیں ابوجہل نے

کہا یاسر! اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ ہمارے معبودوں کی الوہیت کا اقرار کر لے تو بچ جائیگا نہ صرف بچ جائیگا۔ بلکہ دولت سے مالا مال کر دونگا۔ کمبخت زندہ رہ اور آرام و راحت سے زندگی بسر کر۔

حضرت یاسرؓ نے کہا۔ دنیا چند روزہ ہے آخرت دائمی ہے۔ آخرت کا آرام بھی دائمی ہے اور آخرت کی تکلیف پہنچی اُس نے زندگی کا ماحصل کھو دیا۔ خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ انکم وما تعبدون من دون اللّٰہ جھنم۔

یعنی تم اور جن چیزوں کو تم پوجتے ہو سب دوزخ کے ایندھن بنو گے! اِس کھلی تہدید کے بعد معبود حقیقی کو چھوڑ کر بتوں کے سامنے سر جھکانا مسلمان کا کام نہیں ہے ابوجہل نے کہا۔ کچھ ڈر نہیں اب تجھے زبردستی بتوں کا سجدہ کرایا جائیگا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ اسکے آدمیوں نے یاسرؓ کو دونوں اونٹوں سے اسطرح جکڑ دیا کہ اونٹ کی عماری سے دونوں ہاتھ۔ اور دوسرے اونٹ کی عماری سے دونوں پاؤں باندھ دیئے اس طرح سے حضرت یاسرؓ دونوں اونٹوں کے درمیان لٹکنے لگے۔ اب ابوجہل نے کہا۔ ہمارے معبودوں کو سجدہ کرو گے؟ حضرت یاسرؓ نے کہا آخری سانس تک نہیں! ابوجہل نے ساربانوں کو اشارہ کیا انھوں نے دونوں اونٹوں کو مختلف اطراف میں ہانکا اونٹ چلے رُکے جھٹکا دیکر پھر چلے۔ حضرت یاسرؓ کے دونوں ہاتھ بازوؤں سے اکھڑ گئے اجل نے انکو اپنی آغوش میں لیکر انکی مصیبتوں کا خاتمہ کر دیا۔

یہ شیطانی مظالم۔ یہ وحشیانہ درندگی۔ یہ بہیمانہ ستم بیکس بے بس اور مجبور مسلمانوں پر کئے گئے۔ قرون اولیٰ میں جسقدر مظالم مسلمانوں پر ہوئے انکی نظیر تاریخی دنیا میں کم ملتی ہے تاریخ ابن خلدون میں لکھا ہے کہ قریش نے مسلمانوں کو اسطرح ستایا کہ جور و ستم کی تاریخ

میں اسکی مثال پیدا کرنا قریش کی یکتائی ستم کی تحقیر کرنا ہے۔ گویا جسقدر مظالم انسانی دماغ میں آسکتے تھے وہ سب مظلوم اور بیکس مسلمانوں پر کیئے گئے۔ مسلمان صبر و استقلال سے ان تمام مظالم کو برداشت کرتے رہے جو ان پر کیئے گئے بعض احمق یا ناواقف لوگ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ ان لوگوں کو واقعات کا کچھ علم نہیں۔ جو بات انکے دماغوں میں آتی ہے کہہ دیتے ہیں اگر ایسے لوگ تاریخوں کا مطالعہ کر لیتے اگر پڑھ نہ سکتے تھے تو کسی سے سن لیتے پھر ایسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوتے مگر یہ بات نہیں ہے۔ یہ جانتے ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ قدرتی مذہب ہونیکی وجہ سے انسانی فطرت کے عین مطابق ہونیکی وجہ سے اپنے تاثر کیوجہ سے پھیلا ہے اور پھیل رہا ہے قیامت تک پھیلتا رہیگا۔ مگر وہ دوسروں کو مغالطہ میں ڈالنے کیلئے غلط فہمی میں مبتلا کرنے کیلئے۔ اسلام سے متنفر کرنے کیلئے غلط اور بالکل بے بنیاد کہہ دیتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے ہم نے کفار مکہ کے بہت کم مظالم بیان کیئے ہیں تاریخیں ان نادر روزگار مظالم کی داستانوں سے بھری پڑی ہیں اگر ہم تمام مظلوموں کی داستانیں شرح و بسط سے بیان کریں تو اسقدر ضخیم کتاب تیار ہو جائے کہ جسے خریدنا خرید کر پڑھنا دشوار ہو جائے۔ ہم نے چند واقعات پر اکتفا کیا ہے یہ اور اس قسم کے بلکہ اس سے بھی بڑھکر مظالم مسلمانوں پر روزانہ ہوتے رہے۔

سولھواں باب
صلح کی درخواست

مسلمانوں پر اسقدر سختیاں کی گئیں جسقدر وہ کر سکتے تھے۔ کوئی ستم ایسا باقی نہ رہا جو نہ کیا گیا ہو۔ اور یہ ستم یہ ظلم غریب بے بس و بیکس مفلس غلام خانہ زاد اور کنیزوں ہی پر نہیں کئے گئے بلکہ امیروں اور رئیسوں قبائل کے سربرآوردہ لوگوں پر بھی ایسے ہی مظالم کئے گئے۔ حضرت عثمانؓ بن عفان حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت زبیرؓ بن العوام قریش کے مشہور اور طاقتور قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ بہادر تھے متمول تھے معزز تھے۔ لیکن مسلمان ہونے پر انھیں بھی نشانہ ستم بنایا گیا۔ مسلمانوں نے نہایت صبر و شکر سے سختیاں برداشت کیں مظالم سہے۔ مگر ایک مسلمان بھی اسلام سے نہ پھرا۔ مسلمانوں کے اس استقلال نے کفار کو حیرت میں ڈالدیا۔ چونکہ تمام طبائع ایک ہی قسم کی نہیں ہوتیں۔ کچھ نرم اور کچھ سنگدل ہوتے ہیں ایسے ہی کفار مکہ بھی تھے۔ سنگدل لوگوں پر تو کچھ اثر نہ ہوا لیکن نرم دل والے مسلمانوں کا صبر و استقلال دیکھکر دل نرم ہو گیا۔ انھوں نے سنگدل ظالموں کو سمجھانا شروع کر دیا۔ وہ بھی بیکس مسلموں پر انتہائی ظلم و ستم کر کے تھک چکے تھے۔ کچھ نرم پڑے۔ اس سے مسلمانوں پر جو سختیاں کیجا رہی تھیں انمیں کچھ کمی ہو گئی۔ انحضور صلعم ان سختیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے مظلوم مسلمانوں کی بیکسی پر کڑہتے تھے لیکن چپ تھے نہ کسی کو بددعا دیتے تھے نہ کچھ کہتے تھے۔

اگرچہ کفار قریش نے سب پر ہی سختیاں کیں۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ پر سختیاں کرنے کی انھیں جرأت نہ ہوئی۔ مسلمانوں نے جس صبر و استقلال سے کام لیا۔ چونکہ

وہ اپنا ہی نظیر تھا۔ اسلئے وہ بے اثر رہا۔ جب اکثر لوگوں نے دیکھا کہ مسلمان پٹتے ہیں دھوپ میں جلتے۔ ریت پر لٹائے جاتے ہیں وزنی اور بوجھل پتھر انکے سینوں پر رکھے جاتے ہیں سارا سارا دن بھوکے اور پیاسے رہتے تھے اور پھر بھی اسلام کو نہیں چھوڑتے تو انھیں خیال ہوا کہ اتنے لوگ بیوقوف نہیں ہو سکتے ضرور اسلام کی تعلیم ایسی اچھی ہے جسے لوگ چھوڑنا گوارا نہیں کرتے۔ اس خیال نے بہت سے لوگوں کو مسلمان ہونے پر اکسایا۔ چنانچہ وہ چھپ کر ارقم کے مکان پر پہنچے آنحضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ کفار مکہ چاہتے تو یہ تھے کہ مسلمان پھر کافر ہو جائیں مگر اثر الٹا ہو رہا تھا۔ بلکہ کافر آ آ کر مسلمان ہوتے چلے جا رہے تھے۔ ہر روز کفار سن لیتے تھے کہ آج فلاں شخص مسلمان ہو گیا ہے اور آج فلاں وہ سخت برہم ہوتے اور مزید مسلمان پر سختیاں کرتے مگر مسلمان ہونیکا جو سلسلہ شروع ہو گیا تھا وہ نہ رکا۔ بلکہ برابر جاری رہا۔ سعید روحیں۔ نیک لوگ خدا کے فدائی از خود کھچے چلے آ رہے تھے:۔

یہ دیکھکر کفار میں بڑی بیقراری اور اضطراب پیدا ہوا خصوصاً ابو جہل۔ ابولہب۔ عقبہ۔ ولید ابو سفیان۔ عاص بن وائل السہمی اور انھیں کی قسم کے اور لوگوں کو بڑا فکر ہوا۔ بات یہ تھی کہ یہ لوگ نہ صرف معزز اور متمول ہی تھے بلکہ ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی منصب پر مامور تھا۔ مثلاً ابو سفیان قریش کا علمبردار تھا حضرت عباس۔ حجاج کو پانی پلاتے تھے۔ ولید۔ سواروں کا افسر تھا۔ حرث بن قیس مہتمم خزانہ تھا اور ابو جہل اپنے قبیلہ کا سردار تھا۔ قریش کی عنانِ حکومت انہی لوگوں کے ہاتھ میں تھی اسلام انکے عظمت و اقتدار کو دھکا لگانے والا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ جو شخص مسلمان ہو جاتا ہے خواہ وہ کسی طبقہ اور کسی گروہ کا کیوں نہ ہو مساوی حقوق حاصل کر لیتا ہے۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر کوئی فوقیت نہیں ہے۔ غلام اور آقا ایک ہی صف میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ بات انکی معاشرت کے خلاف تھی۔

انکا آئین یہ تھا کہ غلام محض خدمت کرنے اور خدمت کرتے ہی کرتے مرجانیکے لئے پیدا ہوا ہے وہ نہ اچھا کھا سکتا ہے نہ اچھا پہن سکتا ہے نہ آقا کے ساتھ بیٹھ سکتا ہے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ اگر غلاموں کو آزادی مل گئی انھیں مساوی حقوق مل گئے تو انکا اعزاز و اقتدار خاک میں ملجائیگا اسلیئے وہ اور بھی اسلام اور مسلمانوں سے دشمنی کا برتاؤ کرتے تھے۔ لیکن جب انھوں نے مسلمانوں کی تعداد بڑھتے دیکھی تو گھبرا گئے سخت متفکر ہوئے۔ ابوجہل نے پھر مجلس شوری منعقد فرمائی تمام رؤسا اور معزز اصحاب کو طلب کیا جب سب آ گئے تو اس نے کہا۔ بتوں کے پرستار افسوس ہے ہم نے ابتداء میں جس فتنہ کو معمول سمجھا تھا وہ بڑھکر اقتدار و وقار کو صدمہ پہنچانے لگا۔ اگر چند روز ہم اور غافل رہے تو تعجب نہیں کہ تمام مکہ اور سارا عرب مسلمان ہو جائے اور پھر ہمکو یا تو راہ فرار ڈھونڈھنا پڑے یا جن لوگوں پر ہم حکومت کرتے رہے ہیں انکے محکوم بنکر رہنا۔ کیا یہ بات ہمارے لئے قابل شرم نہ ہوگی۔ کم از کم میں اس بات کو کسی طرح برداشت نہ کر سکونگا۔ اسوقت تم لوگ موجود ہو یا تو محمدؐ کے فتنہ کو دور کرنے کی کوئی تدبیر سوچو ورنہ میں صاف طور پر کہتا ہوں کہ میں یہاں سے اور کہیں چلا جاؤنگا۔

ابوجہل نے عام لوگوں کو بھی بلا لیا تھا۔ عوام کا قاعدہ ہے۔ کہ وہ بلا سوچے سمجھے ہر بڑے آدمی کی رائے کی تائید کر دیتے ہیں۔ چنانچہ سب نے ابوجہل کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ بیشک اس فتنہ کو دور کرنا چاہیئے۔

حالانکہ اس مجمع میں ایک نے بھی یہ خیال نہ کیا کہ ابوجہل نے جو زور دیا ہے وہ محض اہل منصب کے جاہ و جلال کی بابت ہے مگر ان میں اتنی سمجھ ہی کہاں تھی جو اس بات کو سمجھتے۔

ابولہب نے کہا۔ مجھے حیرت ہے کہ محمدؐ لوگوں پر کیا جادو کرتا ہے کہ وہ ہزار ستم سہنے پر بھی

اسلام سے نہیں پھرتے ولید نے کہا۔ دراصل وہ بڑا جادوگر ہے (نعوذ باللہ) جو شخص اس سے ایک مرتبہ بات کر لیتا ہے اسی کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔

عتبہ نہایت ذی علم تھا مقفیٰ عبارت بولتا تھا۔ اسے اپنی زباندانی پر ناز تھا اور لوگ بھی اسکے علم و ادب کے معترف تھے۔ اس نے کہا وہ کچھ بھی نہیں جانتا میرے خیال میں جاہ و منصب کا بھوکا ہے۔ اسلئے اس نے قوم میں فتنہ پیدا کر دیا ہے۔

ابولہب نے کہا۔ اگر وہ جاہ و منصب چاہتا ہے یا دولت کا خواہشمند ہے یا کسی عورت پر عاشق ہے تو جو وہ چاہے اُسے دیدو۔ سردست اس فتنہ کو کسی نہ کسی طرح دبا دینا مناسب ہے۔ عاص نے مونچھوں پر تاؤ دیکر کہا۔ ہرگز اسے کچھ بھی نہیں دیا جاسکتا۔ اگر آج ہم اس سے مرعوب ہو کر جو وہ مانگے اسے دیدینگے تو کل کوئی اور اٹھ کھڑا ہوگا اور پرسوں کوئی اور سوچو اس طرح سے ہم کس کس کو اور کیا کیا دیتے رہیں گے؟

ابوسفیان نے کہا بیشک ہمکو اُسے کچھ بھی نہ دینا چاہیئے کیونکہ ہم اسکی سیادت تسلیم کر سکتے ہیں معبودوں کی قسم ہرگز نہیں مر جائیں گے مگر اسکی حکومت تسلیم نہ کرینگے۔ ولید نے کہا۔ جو فتنہ ہمارے سامنے ہے وہ معمولی نہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ دن بدن اسکے پیروؤں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے ہم نے اسکے پیروؤں پر سختی کر کے دیکھ لیا۔ کچھ نتیجہ نہیں نکلا۔ بہتر یہی ہے کہ وہ جو مانگے اُسے دے دیا جائے۔

تھوڑی سی ردّ و کد کے بعد یہ طے ہوا کہ عتبہ کو حضرت محمدؐ کی خدمت میں سفیر بنا کر بھیجا جائے اور اُسے اختیار دیا جائے کہ جس طرح سے ممکن ہو مصالحت کر کے آنحضورؐ کو ہموار کرے۔ چنانچہ عتبہ روانہ ہوا اور آنحضورؐ کی خدمت میں پہنچا۔

آنحضور صلعم نے اسکا استقبال کیا اپنے احترام سے اپنے پاس بٹھایا۔

عتبہ نے کہا یا محمدؐ! میں آج تمام قریش کی طرف سے سفیر بنکر حاضر ہوا ہوں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ آنحضور نے اُسے غور سے دیکھکر تبسم فرمایا۔ آپ نے کہا کہو عتبہ! تم کیا کہنا چاہتے ہو؟

عتبہ نے کہا۔ آپ نے اپنی قوم میں ایک ایسا فتنہ کھڑا کر دیا ہے جو آج تک کسی نے نہیں کیا۔ کیا آپ اسے پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں پر شب و روز سختیاں کیجائیں آپ نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ تم نہیں جانتے مسلمانوں پر جو سختیاں کیجاتی ہیں ان سے میرا دل کس قدر دکھتا ہے۔

عتبہ نے کہا پھر آپ ایسی تدبیر کیوں نہیں کرتے جس سے یہ سختیاں بند ہو جائیں! حضور نے فرمایا۔ میں کیا تدبیر کر سکتا ہوں۔ خدا کی مصلحت میں کوئی دم نہیں مار سکتا۔

عتبہ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ خدا کا نام نہ لو۔ سارا فتنہ اس خدا کے نام ہی کا ہے آپکو تدبیر میں بتاتا ہوں۔ حضور نے دریافت کیا۔ کیا تدبیر ہے۔ عتبہ نے کہا۔ آپکو تمام قریش اپنا سردار تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔ آپ مکہ کے بادشاہ بنجائیں تمام خزانہ ساری فوج آپکی ماتحتی میں دیدی جائیگی۔ جس عورت یا جس لڑکی سے آپ کہیں گے آپکی شادی کر دی جائے گی۔ آپ اس منصب کو قبول کر لیجئے۔ . . . .

آنحضور صلعم نے کہا۔ عتبہ! اگر قریش اور قریش کے سرداروں نے یہ سمجھا ہے کہ میں جاہ و منصب کے لالچ سے حکومت کے خیال سے تبلیغ اسلام کر رہا ہوں تو غلط سمجھا بخدا! مجھے کوئی طمع دامنگیر نہیں ہے میں تو مخلوق خدا کی خدمت کیلئے پیدا ہوا ہوں لہٰذا خدمت ہی کرنا چاہتا ہوں مجھے جاہ و منصب کی آرزو نہیں ہے میں حکومت نہیں چاہتا۔ صرف اگر تمنا ہے تو وہ یہ کہ تم سب مسلمان ہو جاؤ۔

پتھر کے بتوں کو پوجنا چھوڑ دو۔ عتبہ میں خدا کا رسول ہوں مجھ پر خدا کا پیغام نازل ہوتا ہے سنو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الھکم الہ واحد فاستقیموا الیہ واستغفروہ

ترجمہ:۔ (یعنی اے محمد) کہہ دو کہ میں تمہیں جیسا آدمی ہوں۔ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک خدا ہے بس سیدھے اسی کیطرف جاؤ اور اس سے معافی مانگو:۔

یہ آیات سنکر عتبہ کا چہرہ فق ہو گیا اور وہ حیران ہو کر آنحضور صلعم کو دیکھنے لگا۔ آنحضور نے فرمایا۔ عتبہ اور سنو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قل ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین وتجعلون لہ انداداً ذالک رب العالمین

(یعنی اے محمد) کہہ دو کیا تم لوگ خدا کا انکار کرتے ہو جس نے دو دن میں یہ زمین پیدا کی اور تم خدا کے شریک قرار دیتے ہو وہی سارے جہان کا پروردگار ہے۔

عتبہ کے چہرہ کا رنگ یہ آیتیں سنکر اڑ گیا وہ کانپنے لگا۔ اس نے آنحضور صلعم کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا بس محمدؐ! بس ورنہ میرا دل الٹ جائیگا اور کلیجہ شق ہو جائیگا۔ حضور خاموش ہو گئے عتبہ اٹھکر سیدھا قریش کی مجلس میں پہنچا۔ لوگوں نے اسے سر بہ گریبان آتے دیکھا۔ سب کو تعجب ہوا۔ جب وہ پاس آیا تو ابو لہب نے کہا عتبہ کیا رہا۔ عتبہ نے کہا کہ اگر میری بات مانو۔ تو یہی بہتر ہے کہ تم محمدؐ سے کچھ نہ کہو۔

ابو جہل نے ہنسکر کہا۔ کیا تجھ پر بھی اس نے جادو کر دیا۔

عتبہ نے کہا۔ جو تم چاہو کہو۔ مگر میری رائے تو یہی ہے کہ تم ان کو انکے حال پر چھوڑ دو۔ اگر وہ تمام عرب پر غالب آ گئے تو یہ تمہاری عزت ہے ورنہ عرب خود

ان کو فنا کر دیں گے۔

ابولہب نے فرمایا۔ یہ نہیں ہو سکتا۔

ابوسفیان نے جوش میں بھر کر کہا۔ ہم کو صرف ابوطالب کا پاس ہے ورنہ ہم خود اس کا خاتمہ کر دیتے۔

ابوجہل نے کہا۔ بہتر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک وفد ابوطالب کی خدمت میں جائے اور ان سے صاف صاف کہہ دے کہ یا تو وہ اپنے بھتیجے کو سمجھا دیں کہ وہ ہمارے معبودوں کی توہین نہ کرے ورنہ ہم اُسے ضرور قتل کر ڈالیں گے۔

سب نے اس بات کی تائید کی۔ یہ بات طے ہوگئی کہ ایک وفد ابوطالب کی خدمت میں باریاب ہو کر ان سے رفع اتمام حجت کرے۔ وفد کے ممبر علتبہ۔ شیبہ۔ ابوالبختری۔ اسود۔ ابوجہل۔ ابولہب۔ ابوسفیان اور ولید مقرر ہوئے اس کارروائی کے بعد مجلس شوریٰ برخاست کر دی گئی۔ لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

ستارہواں باب

قریش کا وفد ابوطالب کی خدمت میں

ہمارے ناول کا آغاز سنہ نبوت سے ہوا ہے ہم نے جو واقعات گذشتہ باب میں بیان کیے ہیں یا جو اب بیان کرینگے یہ سنہ نبوت یا ۶۱۵ء میں واقع ہوئے

اس سال سے مسلمانوں پر سختیوں کا آغاز ہوتا ہے پھر سختیاں بھی کیسی جن کے سلنے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کفار مکہ نے انسانیت سوز مظالم اور صبر آزما سختیوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ سختیوں سے بھی کام نہیں چلتا۔ جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ وہ اسقدر مستقل مزاج اور اس درجہ درد آشنا و خوگر ستم ہو گئے تھے کہ ہزاروں ایذا دینے پر بھی نعرہ احد سے باز نہ آتے تھے۔ بالآخر صلح کے لئے سلسلہ جنبانی شروع کیا۔ عتبہ کو سفیر بنا کر حضور کی خدمت میں بھیجا۔ بہت کچھ بہکایا۔ مگر لالچ حرص و آز کے بندوں پر اثر کرتا ہے۔ جاہ و منصب کے چاہنے والوں کو اپنے دام تزویر میں پھنساتا ہے لیکن . . . . . وہاں کوئی طمع نہ تھی۔ جواب صاف ملا۔ مسلمان ہو جاؤ۔ خدا کی وحدانیت کا اقرار کرو۔ حضور کے اس جواب نے قریش کو صلح کی طرف سے بھی مایوس کر دیا۔

اب یہ تجویز کی کہ ابوطالب سے کہا جائے کہ وہ اپنے بھتیجے حضرت محمد صلعم کو سمجھائیں۔ چونکہ حضور اس وقت ابوطالب کی سرپرستی میں تھے۔ اگرچہ ابوطالب مفلس تھے۔ اسقدر غریب کہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کیلئے بمشکل اذوقہ حاصل کر سکتے تھے۔ عسرت سے بسر اوقات ہوتی تھی چنانچہ اس تنگی کو مدنظر رکھتے ہوئے حضور نے حضرت علیؓ کو خود لے لیا تھا اور دوسرے صاحبزادہ حضرت جعفر کو عباسؓ کی کفالت میں دلا دیا تھا۔ مگر وہ بہادر تھے اہل مکہ پر ان کی دھاک تھی۔ اسکے علاوہ وہ خاندان ہاشم سے تھے۔

ہاشمیوں کا اعزاز خواہ وہ امیر ہوں یا غریب تمام قریش اور سارے عرب

میں اسقدر بڑھا ہوا تھا کہ ہر قبیلہ ان کی عزت و تکریم کرتا تھا۔ اس لئے ابوطالب کے غریب ہوتے ہوئے بھی بڑی عزت تھی۔

حسب قرار داد ابوطالب کی خدمت میں وفد حاضر ہوا۔ ابوطالب نے بڑی عزت سے اسکا استقبال کیا جب تمام لوگ بیٹھ گئے تو ابوطالب نے دریافت کیا۔ کہئے آج آپ صاحبان نے کیسے تکلیف فرمائی۔

ابوجہل نے کہا محترم بزرگ کیا آپکو معلوم نہیں ہے کہ آپکے بھتیجے محمدؐ نے قوم میں ایک نیا فتنہ کھڑا کر دیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خدا ایک ہے اتنی بڑی خدائی کا صرف ایک خدا بناتا ہے۔ پھر ایسی ہستی کو خدا کہتا ہے جسے آج تک کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے۔ ہم آپکی خدمت میں اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ سے درخواست کریں۔ تاکہ آپ اپنے بھتیجے کو سمجھا دیں کہ وہ ہمارے معبودوں کی توہین نہ کرے۔ ہمارے آبائی مذہب کو بُرا نہ کہے اور نئے مذہب کی تبلیغ نہ کرے۔ آپ ہاشمی ہیں بتوں کے پرستار ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ دل و جان سے کوشش کر کے اُسے سمجھائیں......

ابوطالب نے کہا۔ میں مشکور ہوں کہ آپ میرے پاس آئے مجھے خوب معلوم ہے کہ آپ نے میرے بھتیجے محمدؐ پر جسقدر سختیاں کی ہیں اذیت دی ہے اسکا گھر سے نکلنا بند کر دیا ہے اسکے پیروؤں کو جس قدر ستایا ہے سوچو کیا تمہارے لئے یہ زیبا تھا۔ معبودوں کی قسم تم نے غلطی کی ہے۔ بڑی غلطی جو طریقہ تم نے اختیار کیا وہ غلط ہے۔ جب سختیاں نا قابل برداشت ہو جاتی ہیں تو کمزور سے کمزور انسان بھی مقابلہ میں آجاتا ہے ضد بُری ہوتی ہے تم کو یہ ضد ہے

کہ محمدؐ تمہارے معبودوں کو بُرا نہ کہے اور اُسے یہ ضد ہے کہ ایک خدا کی تبلیغ کرے اس ضد نے کام بگاڑ رکھا ہے۔ تم نرمی کرو۔ وہ خود ہی باز آ جائیگا میری اس گفتگو سے یہ نہ سمجھ لینا کہ میں بھی اپنا آبائی مذہب چھوڑ چکا ہوں۔ نہیں میں مرتے دم تک اپنے مذہب پر قائم رہوں گا اپنے معبودوں کی توہین میں بھی گوارا نہیں کر سکتا۔ لیکن میرا طریقہ کار الگ ہے نہ میں کسی کو بُرا کہوں نہ بُرا سنوں یہی وطیرہ تم بھی اختیار کر لو۔

ولید نے کہا۔ ہم سختیاں نہ کریں اگر وہ تبلیغ بند کر دیں۔

ابو طالب۔ میں آج اپنے بھتیجہ کو بلا کر سمجھاؤں گا۔ یقین ہے کہ وہ مان جائیگا تم بھی سختیاں کرنا بند کر دو۔

البوالبختری نے کہا۔ بیشک یہ مشورہ قابل قبول ہے اگر حضرت محمدؐ تبلیغ سے باز آ جائیں تو ہمیں بھی مسلمانوں پر سختیاں نہ کرنا چاہیئے۔

اس قرارداد کے بعد ارکین وفد اُٹھے اور روانہ ہو گئے مگر جب وہ اس جگہ پہنچے۔ جہاں لوگ انکی واپسی کا انتظار کر رہے تھے انھوں نے بزرگ ابو طالب کی گفتگو کا ماحصل سب کے سامنے بیان کر دیا۔

اکثر لوگوں نے کہا کہ اس طرح کی مصالحت سے کوئی فائدہ نہ ہوگا اور محمدؐ تبلیغ سے باز نہ آئیگا جس طرح چپکے ہی چپکے اُس نے ستر اسّی آدمیوں کو مسلمان کر لیا ہے اسی طرح سینکڑوں کو کر لیں گے اور پھر اسلام اور مسلمانوں کا خطرہ بڑھ کر ساری قوم کے زوال کا باعث ہو جائیگا۔ مناسب یہ ہے محمدؐ کو اپنے میں شامل کر دو۔

عتبہ نے دریافت کیا اس کی کیا تدبیر کریں۔

ایک شخص نے کہا۔ محمدؐ کو ابو طالب کے سامنے بلاؤ اور جس منصب کی وہ خواہش کریں انھیں دے دو۔

سب نے اس رائے پر اتفاق کیا۔ پھر وفد کو حضرت ابو طالب کی خدمت میں جانے کے لیے آمدہ کیا۔

اراکین وفد جانے کے لئے تیار ہو گئے مگر طے یہ ہوا کہ دوسرے روز روانہ ہونا چاہئے۔ اس بات کو سب نے مان لیا۔

جب یہ بات طے ہو گئی تو ابو لہب نے کہا۔ کل ہم ابو طالب سے صاف طور پر کہہ دینگے کہ اگر محمدؐ ہمارے مذہب میں داخل نہ ہوئے تو پھر ہم اُن کو قتل کر ڈالیں گے۔

ابو سفیان کی دلی منشا یہی تھی کہ کسی نہ کسی طرح آنحضور صلعم کو قتل کر دیا جائے اس نے کہا ضرور یہ کہہ دینا چاہئے۔ اگر ابو طالب کے سمجھانے سے بھی باز نہ آئیں اور ہمارے مذہب میں داخل نہ ہوں تو ہمیں پھر فوراً انھیں قتل کر ڈالنا چاہئے:۔

ابو لہب نے کہا۔ بیشک ایسا ہی ہو گا۔ ہم ابو طالب سے آخری اتمام صحبت کریں گے۔

اس قدر گفتگو کے بعد لوگ منتشر ہو گئے۔ لیکن مکہ میں گھر گھر اس دود کا چرچا ضرور ہو گا اور لوگ انتظار کرنے لگے۔ کہ کب دوسرا دن ہو کب وفد جائے اور کب جواب لائے۔

انھیں افکار اور چرچوں میں دن بسر ہو گیا۔ رات تمام ہوئی اور دوسرے روز آفتاب بڑی آب وتاب سے جلوہ گر ہو گیا۔

وفد نے تیاری شروع کی۔ سب جمع ہوئے۔ مل کر چلے اور ابوطالب کی خدمت میں پہنچ گئے۔

ابوطالب نے حسب عادت ان کی آؤ بھگت کی جب وہ اطمینان کے ساتھ بیٹھ گئے تو ابوطالب نے دریافت کیا۔ آج کیسے تشریف آوری ہوئی کہ کوئی نئی بات پیش آئی؟"

ابولہب نے کہا۔ نئی بات کوئی نہیں۔ آج ہم اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ سے درخواست کریں تاکہ آپ اپنے بھتیجے کو ہمارے سامنے بلوائیں۔ آپ بھی سمجھائیں۔ ہم بھی سمجھائیں اغلب ہے کہ آپ کے سمجھانے اور ہمارے سمجھانے سے وہ سمجھ جائیں۔

ابوطالب نے کہا۔ مناسب ہے۔ لیکن ان کے سامنے سختی سے گفتگو نہ کرنا۔ کیونکہ یہ میری توہین ہو گی۔ اور میں اُسے کسی طرح برداشت نہ کرسکوں گا۔

ابوجہل نے کہا۔ اطمینان رکھیئے ایسا نہ ہو گا۔ ہم سب آپ کا احترام کرتے ہیں۔

ابوطالب نے اپنے غلام کو آنحضور صلعم کی خدمت میں بھیجا۔ زیادہ دیر نہ گذری تھی کہ آنحضور اس شان سے تشریف لائے کہ سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ کاندھے پر سیاہ کمبلی پڑی تھی۔ ہاتھ میں عصا تھا۔ آپ کے لباس سے

جاہ و جلال ہویدا تھا۔ آپ نے آتے ہی السّلام علیکم کہا۔

عرب میں سلام کرنے کا یہ طریقہ نہ تھا۔ سب حیران ہوئے۔ ابو طالب نے کہا۔ میرے چشم و چراغ آؤ میرے پاس بیٹھو!

حضور اپنے محترم چچا ابو طالب کے پاس جا بیٹھے۔ ابو طالب نے کہا۔ میرے عزیز! آج ہم نے تجھے بلایا ہے۔ ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ ہم نے تم پر بے حد سختیاں کی ہیں۔ ستایا ہے۔ تکالیف پہنچائی ہیں ہم اعتراف قصور کر کے تم سے معافی کے خواستگار ہیں۔

آنحضور صلعم کا روئے مبارک ہمیشہ بشاش رہتا تھا۔ آپ کی منور پیشانی میں شاذ و نادر ہی بل پڑتے تھے آپ نے متبسّم انداز سے ارشاد فرمایا۔

یا عم! مجھے آپ کی سختیوں پر ذرہ برابر بھی ملال و رنج نہیں۔ ابتدائے آفرینش سے یہ قاعدہ رہا ہے کہ ہر نبی کو اس کی قوم نے ستایا ہے۔ میں بھی خدا کا رسول ہوں۔ مجھ پر سختیاں ہونا بھی ضروری اور لازمی ہے۔ پھر ملال کیوں اور شکوہ کس بات کا۔

کفار مکہ کو خدا کے نام سے چڑ تھی۔ لہٰذا اراکین وفد خدا کا نام سُن کر چیں بہ جبیں ہوئے۔ لیکن مصلحتِ وقت کو سمجھتے ہوئے خاموش رہنا لازمی تھا۔

ابو لہب نے کہا۔ تم جانتے ہو! ہم سب منصب و جاہ کے مالک ہیں قریش کے معزز لوگ ہیں۔ جو بات ہم طے کر دیتے ہیں سارے عرب والے بغیر کسی چون و چرا کے اُسے تسلیم کر لیتے ہیں۔ کیا تم اسکے معترف ہو؟

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ ایسے ہی ہیں۔

ابولہب۔ اب سنو ہمیں تمام قریش اور مکہ کے سربرآوردہ قبائل نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ تاکہ ہم تم سے مصالحت کرلیں...... پیارے بھتیجے! جو فتنہ تم نے اپنی قوم میں پیدا کیا ہے اس فتنہ سے تمام قوم مشکلات میں پھنس گئی ہے۔ تم سمجھدار ہو اور قوم کی مشکلات کو خوب سمجھتے ہو۔ اپنی قوم پر احسان کرو۔ اور اسکی مشکلات میں اضافہ نہ کرو۔

آنحضور صلعم۔ میں نے قوم کو کسی مشکل میں اسیر نہیں کیا بلکہ میری قوم نے خود میرے اوپر سختیاں کی ہیں۔ مجھے سخت ترین مشکلات میں پھنسا دیا ہے۔ مگر مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ مجھ پر سختیاں کی جائیں۔ البتہ ملال ہے تو اس کا افسوس ہے تو اس کا کہ جو لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں ان پر انسانیت سوز مظالم اور شدید ترین سختیاں کی جاتی ہیں۔

ابولہب۔ بیشک یہ ہم سے غلطی ہوئی۔ لیکن اب ہم مصالحت کے لئے آئے ہیں..... پیارے بھتیجے اگر تم کو دولت کی ضرورت ہے تو ہم سب مل کر تمہارے لئے اس قدر سیم وزر جمع کردیں کہ کسی دوسرے کے پاس نہ نکلے۔

آنحضور صلعم۔ یا عم اگرچہ میں مفلس ہوں۔ لیکن بخدا مجھے دولت کی ضرورت نہیں۔ میں سیم وزر نہیں چاہتا۔

ابولہب۔ دولت نہیں چاہتے تو کیا کسی خوبرو عورت سے محبت ہو گئی

ہے۔ بتاؤ وہ کون حور طلعت ہے۔ جس سے تم شادی کرنا چاہتے ہو ایمیں تم کو اطمینان دلاتا ہوں کہ وہ خواہ کوئی عورت ہو۔ ہم اُس سے تمہاری شادی کر کے رہیں گے۔

آنحضور صلعم۔ یا عمّ! یہ بات بھی نہیں ہے۔ مجھے کسی حور طلعت عورت سے محبّت نہیں ہے۔

ابولہب۔ اچھا تو کسی منصب وجاہ کی ضرورت ہے۔ اگر یہ بات ہے تو قریش تم کو اپنا سردار مقرّر کر لیں گے۔

آنحضور صلعم۔ میں منصب وجاہ کا بھی خواہشمند نہیں۔

ابولہب۔ بس تو تم حکومت چاہتے ہو۔ اگر یہ بات ہے تو ہم تم کو تمام عرب کا بادشاہ بنائے دیتے ہیں۔ سارے عربستان میں آپ کی حکومت قائم ہو جائے گی۔

آنحضور صلعم۔ نہیں چچا میں حکومت بھی نہیں چاہتا۔

ابولہب۔ بس تو تم کچھ بیمار ہو۔ اگر یہ بات ہے تو ہم تمہارے علاج کے لئے مشہور حکماء کو بلا کر علاج کراتے ہیں:۔

آنحضور صلعم۔ بفضلہ تعالیٰ میں بیمار بھی نہیں ہوں۔

ابولہب۔ تو کیا کسی جن یا آسیب کا اثر ہے اس اثر کو کاہن دور کر سکتے ہیں

آنحضور صلعم۔ کسی جن یا آسیب کا بھی اثر نہیں۔

ابولہب۔ پھر آخر بات کیا ہے تم کیا چاہتے ہو؟

آنحضور صلعم۔ میں چاہتا ہوں کہ تم بتوں کی پرستش چھوڑ دو اور اس خدا کو پوجو

جو کائنات کا خالق ہے اور جس نے انسانوں کو جنوں کو پیدا کیا ہے جس کے ہاتھ میں عزت و ذلت ہے۔ موت و زندگی کا نظام ہے اور جو ہر چیز پر قادر ہے جس کی عظمت و جلال کے شاہد فرشتے ہیں۔ جو وحدہٗ لاشریک ہے جس نے صرف "کن" کہہ کر دنیا کو عالم وجود میں لایا ہے۔

اس کے بعد آپ نے قرآن شریف کی آیتیں تلاوت فرمائیں۔

لہ ما فی السمٰوات وما فی الارض وھو العلی العظیم

یعنی اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور وہ بڑے مرتبہ والا ہے۔ ام اتخذ وا من دونہ اولیاء فاللہ ھو الولی و ھو یحی الموتی وھو علیٰ کل شیٔ قدیر۔

یعنی کیا لوگوں نے سوائے خدا کے کارساز بنا لئے ہیں پس اللہ ہے کارساز اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وفد کے تمام ممبران آیات کو سن کر حیران رہ گئے۔ کچھ دیر کے بعد ابوجہل نے کہا۔ تو گویا تم صلح کرنے سے انکار کرتے ہو۔

آنحضور نے فرمایا۔ انکار میں نہیں کرتا۔ بلکہ تم کرتے ہو۔ کیوں نہیں تم خدا کے سامنے جھک جاتے۔ کیوں خدا کی وحدانیت کا اقرار نہیں کرتے اور کیوں معبودان باطل کو نہیں چھوڑ دیتے۔

ابولہب نے بگڑ کر کہا۔ اس لئے کہ ہم اور ہمارے باپ دادا انہیں پوجتے رہے ہیں ہم خیالی خدا کی پرستش مرتے دم تک نہ کریں گے۔ اب تم ہوشیار ہو جاؤ۔ ہم نہ صرف تمہارا مکہ میں رہنا دشوار کرینگے بلکہ تم کو قتل کر ڈالیں گے۔

ابولہب کو جوش آگیا تھا۔ اسکا چہرہ تمتمانے لگا۔ اُس نے کڑے تیوروں سے ابوطالب کو دیکھکر کہا۔ سنو ابوطالب! یا تو تم محمدؐ کی رفاقت چھوڑ دو ورنہ مقابلہ میں آجاؤ۔ اب ہم تمہارا بھی لحاظ نہ کرینگے۔ یہ قوم کا معاملہ ہے مذہب کا معاملہ ہے اس میں کسی کا پاس و ادب نہ کیا جائیگا۔ ہم آپکو سوچنے اور غور کرنے کے لئے مہلت دیتے ہیں اگر تم اپنے بھتیجہ کی رفاقت سے باز آگئے تو ہم تم کو اپنا سردار بدستور رکھینگے۔ اگر باز نہ آئے تو تم پر بھی سختیاں کرینگے اگر تم نے کل تک یہ نہ کہلا بھیجا کہ تم محمدؐ کی رفاقت سے دستبردار ہو گئے ہو تو پھر ہم تمہارے خلاف بھی کارروائیاں شروع کر دینگے۔

ابولہب اُٹھ کھڑا ہوا۔ گویا اس نے اعلان جنگ دیدیا۔ دیگر ہمراہی سردار بھی اُٹھ گئے اور بگڑتے ہوئے روانہ ہو گئے۔ سب کے چلے جانے کے بعد ابوطالب نے کہا۔

پیارے بھتیجہ! تم نے دیکھ لیا کہ ساری قوم برافروختہ ہو گئی ہے۔ میں کمزور ہوں۔ ساری قوم کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تم انکی باتیں مان لو میں تنہا کس کس کا مقابلہ کر سکوں گا۔

آنحضور صلعم۔ ابوطالب کی یہ گفتگو سُن کر آزردہ خاطر ہو گئے۔ آپ سمجھ گئے کہ ابوطالب آپکی سرپرستی سے دستبردار ہوتے ہیں۔ آپ نے چشم پُرنم ہو کر کہا۔ یا عم! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور ایک ہاتھ پر چاند رکھ دیں۔ تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤنگا۔ یہاں تک کہ یا تو خدا اس کام کو پورا کر دیگا۔ یا میں اس پر نثار ہو جاؤں گا۔

آپ کی پُراثر آواز نے ابوطالب کو سخت متاثر کیا۔ اس نے آنحضور صلعم سے کہا۔ جانِ عم! بے فکر رہ میری زندگی میں کوئی تیرا بال بیکا نہ کر سکیگا۔

چنانچہ حضور کی آزردگی دور ہو گئی۔ حضور اٹھے اپنے چچا کو سلام کیا اور رخصت ہو کر اپنے مکان کی طرف روانہ ہو گئے۔

اٹھارہواں باب

حلفِ انتقام

جب درندہ خصلت لٹیرے بنی بکر کی معصوم لڑکیوں بے گناہ عورتوں ناکردہ کار بچوں کو گرفتار کر کے لے گئے۔ انکے خیمہ وخرگاہ اکھاڑ کر مال و اسباب لوٹ کر چلدیئے تو نخلستان میں چند لاشیں یا زخمی عورتیں پڑی رہ گئیں آفتاب کی تپش سے ریت جلنے لگا۔ ہوا گرم ہو گئی اور گرم ہوا سے بگولے اُٹھنے لگے۔ نخلستان کو ہوا نے گرم بنا دیا تھا۔ کچھ عورتیں زخمی پڑی تھیں اور زخموں سے خون رس رہا تھا۔ گرم ہوا زخموں میں تیر کی طرح سے لگ رہی تھی۔ بدن جھلسے جا رہے تھے۔ پیاس سے جان پر بنی تھی۔ مگر نہ ان میں اُٹھنے کی طاقت تھی نہ کوئی ایسا شخص انکے پاس تھا جو پانی پلاتا۔ زخموں پر پٹی باندھتا۔ وہ سخت تکلیف میں تھیں شدتِ پیاس اور تکلیف سے وہ بیہوش ہو ہو جاتی تھیں۔ سارا دن اسی طرح پڑی رہیں۔ کوئی خبر لینے والا نہ آیا۔ جب آفتاب اسقدر مغرب کیطرف جھک

گیا کہ اسکی سیدھی شعاعیں ترچھی ہوگئیں تو اسکی تپش میں کمی واقع ہوگئی۔ بادِ صرصر کے گرم جھونکے ہلکے اور نسبتاً ٹھنڈے پڑ گئے۔ اس سے بیکس عورتوں کو قدرے امن ملا۔ لیکن اسقدر نہیں کہ انکی قوت عود کر آتی۔ کچھ دیر کے بعد ایک گوشہ سے غبار اٹھتا اور نخلستان کی طرف بڑھتا نظر آیا۔

مجروح عورتوں نے کھجوروں کے درختوں سے جھانک کر دیکھا انھیں خیال آیا کہ انکے قبیلہ کے لوگ واپس آ رہے ہیں۔ اس خیال سے انھیں ایک گونہ تسلی اور مسرت ہوئی۔ غبار بڑھتا آ رہا تھا سفید ریت کے جگمگاتے ذرات سنہری دھوپ میں چمکتے دوش ہوا پر سوار ادھر ادھر بکھرتے چلے آ رہے تھے۔ کچھ عرصہ میں غبار کا دامن چاک ہوا۔ اونٹوں کی رفتار آہستہ آہستہ اسطرف آتی نظر آئی۔ اونٹوں کے ساتھ گھوڑے اور آدمی بھی آ رہے تھے۔ عورتوں نے پہچان لیا یہ انھیں کے آدمی تھے وہ بے صبری سے انکے قریب آنے کا انتظار کرنے لگیں۔

آنیوالے نہایت اطمینان سے قدم قدم آ رہے تھے جب وہ نخلستان کے اسقدر قریب آ گئے کہ انھیں اس سبزہ زار کے اندر چیزیں صاف نظر آنے لگیں تو خلاف معمول انکی رفتار میں تیزی آ گئی۔ زخمی عورتوں نے انکی تیز روی کو دیکھ لیا وہ سمجھ گئیں کہ آنیوالے نخلستان کو خالی دیکھکر حادثہ سے واقف ہو گئے ہیں اور جلد از جلد یہاں پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اب زخمی عورتوں پر غشی طاری ہونے لگی ح انکا خیال صحیح تھا۔ آنیوالوں نے اپنی رفتار بہت تیز کر دی تھی۔ اونٹ گھوڑے اور آدمی بہت تیزی سے آ رہے تھے۔ جب وہ نخلستان کے بالکل قریب آ گئے تو لوگ سراسیمہ اور بدحواس ہو کر گھوڑوں کو چھوڑ چھوڑ کر دوڑے اور نخلستان میں گھسکر حیرت

اور افسوس بھری نظروں سے تاراج نخلستان کو دیکھنے لگے۔

سب سے آگے حارثہ تھا۔ نہایت متفکر، غمگین اور پریشان معلوم ہوتا تھا اس نے نخلستان میں گھستے ہی کہا معبودوں کی قسم ہمارے قبیلہ پر تاخت کیگئی ہے۔ آہ وہ کون بدمعاش تھے جنھوں نے ہمارے گلستان کو تاراج کیا ...... ارے خون ... ہائے خون بہایا گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ بنی بکر کی غیور عورتیں اپنے قبیلہ کی روایات کو برقرار رکھنے کیلئے لڑی ہیں۔ ضرور لڑی ہونگی۔ ورنہ یہ خون کہاں سے آتا۔ ایک آواز آئی۔ افسوس ہمارا گلستان اجاڑ دیا گیا۔ بزدل کمینوں نے ہماری عدم موجودگی میں بچوں اور نازک عورتوں پر تاخت کی۔ اونٹ سامان اور خیمے وغیرہ سب کچھ لے گئے۔

حارثہ نے اس آواز دینے والے کو دیکھا یہ عدی تھا قبیلہ بنی بکر کا سردار تھا۔ حارثہ نے کہا۔ یا اخی ہم برباد ہو گئے۔ آہ ہماری عورتیں اور بچے ہمارا سامان وغیرہ سب لٹ گیا۔ میری جمیلہ! میری ...... میری نور دیدہ!

عدی نے کہا۔ بیشک ہم تباہ ہو گئے۔ تمہاری جمیلہ میری رقیہ! ہمارے قبیلہ والوں کی بیٹیاں چرالی گئیں۔ ہم جسقدر غم کریں کم ہے ... دیکھو حارثہ سامنے دیکھو۔ وہ چند عورتیں پڑی ہیں۔

دونوں اور انکے پیچھے انکے قبیلہ کے اور لوگ اسطرف بڑھے جہاں عورتیں نیم بیہوشی کیحالت میں پڑی تھیں انھوں نے جاکر عورتوں کو دیکھا وہ زخمی تھیں اور زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ خون کے زیادہ نکلنے کی وجہ سے نڈھال ہوگئی تھیں پیاس کے مارے زبان نکل پڑی تھی۔ زبان پر کانٹے کھڑے تھے۔

سب لوگ عورتوں کے پاس گئے۔ عدی نے عورتوں کو دیکھا اور اُس نے کہا پانی لاؤ۔ جلدی کرو۔ یہ عورتیں زندہ ہیں۔ بیہوش ہیں۔ انکے ہوش میں آنے پر معلوم ہوگا کہ کون سے بدمعاش قبیلہ نے۔ کن اوباش لوگوں نے اور کن بزدل بھیڑیوں نے ہمارے قبیلہ پر تاخت کی ہے۔

فوراً کچھ لوگ پانی لانے کیلئے دوڑ گئے۔ اب آفتاب اسقدر جھک گیا تھا کہ اسکی شعاعیں غائب ہونے لگی تھیں۔ دن بھر چلنے والی باد صرصر کے گرم جھونکے بند ہونے لگے تھے۔ اسوقت اس قبیلہ کے تمام اونٹ سارے گھوڑے اور کل آدمی نخلستان کی تاراجی دیکھکر سخت مغموم اور متاسف ہوئے۔ کھڑے ہوکر حیرت بھری نظروں سے عورتوں کو دیکھنے لگے۔ انکے اونٹ انکے گھوڑے بھی انکے پاس آکر کھڑے ہوگئے۔ ان جانوروں کی نگاہیں زبان حال سے کہہ رہی تھیں کہ اپنے مربّیوں کے غم میں وہ بھی شریک ہیں۔ وہ بھی اس حادثہ فاجعہ سے اسی قدر متاثر ہوئے جس قدر ان کے مالک تھے۔

جو لوگ پانی لینے گئے تھے۔ وہ پانی لیکر آگئے عدی اور حارثہ نے جلدی سے چھاگلیں لیں اور نیم بیہوش عورتوں پر پانی چھڑکا۔ انکے مُنہ کھولکر پانی ٹپکایا۔

کچھ پانی نے کچھ ٹھنڈی ہوا نے اثر کیا۔ عورتوں نے آنکھیں کھولیں ان کی حالت درست ہونے لگی۔ غشی دُور ہوگئی۔ یہ سب چار عورتیں تھیں اِن میں ایک ضعیف العمر تھی۔ ایک ادھیڑ اور دو جوان تھیں۔

تھوڑی دیر میں عورتیں بالکل ہوش میں آگئیں وہ اُٹھکر بیٹھیں انکے چہرے اُترے ہوئے تھے جسم نحیف و لاغر تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے انکی رگ رگ سے

خون کا ایک ایک قطرہ نکل گیا ہے۔ عدی نے ان سے دریافت کیا۔ آہ اگر تم بول سکتی ہو تو بولو۔ کن درندوں نے ہمارے قبیلہ پر تاخت کی اور کون سے بزدل لٹیروں نے ہمارے قبیلہ کو برباد کیا۔

ایک نوجوان عورت نے کہا۔ یا سیّدی! بنی قحطان نے ہم پر چھاپہ مارا۔

عدی نے جوش غضب سے دانت پیستے ہوئے کہا۔ میرا بھی یہی خیال تھا! افسوس انھوں نے ہماری عدم موجودگی میں ہمارے قبیلہ پر تاخت کی ہے۔ نامرد۔ بزدل کمینے اگر ہمارے سامنے آتے تو اُنکا ایک فرد بھی زندہ بچ کر نہ جاتا۔

اس عورت نے کہا یا سیّدی! ہم انکی تاخت سے بےخبر تھے وہ اچانک ہم پر آپڑے۔ ہمیں ہتھیار لینے کی مہلت بھی نہ ملی لیکن پھر بھی ہم لڑیں۔ بہت لڑیں۔ ہماری اکثر بہنیں قتل کر دی گئیں۔ عدی نے جوش میں آکر کہا۔ معبودوں کی قسم ہم ان بدبختوں سے انتقام لیں گے۔ مگر ہمارے لئے یہ بڑی شرم کی بات ہے کہ ہماری عورتیں تو مرگئیں اور قحطان کا ایک مرد بھی نہ مرا۔

عورت نے کہا معبودوں کی مہربانی سے ایسا نہیں ہُوا۔ جمیلہ اور رقیہ نے بنی قحطان کے دو آدمیوں کو قتل کر کے ہمیں شرم و ذلّت سے سرنگوں ہونے سے بچالیا۔ یہ سُن کر عدی اور حارثہ کی آنکھیں چمکنے لگیں دونوں نے ساتھ ہی کہا جب تو ہم ندامت خیز ذلّت سے بچ گئے کیا رقیہ اور جمیلہ بھی زخمی ہو گئی تھیں۔

عورت نے کہا۔ میرے خیال میں ان دونوں میں سے ایک بھی زخمی نہیں ہوئی نامرد۔ بزدل انھیں اور سب کو گرفتار کر کے لے گئے۔

عدی نے کہا۔ کچھ پرواہ نہیں۔ آہ حارثہ! بنی قحطان کے بزدل کمینوں کو دیکھیں تو دنیا

اٹھے۔ عورت نے کہا نخلستان کے شرقی جانب ان دونوں کی لاشیں پڑی ہیں:۔

عدی۔ حارثہ چند اور لوگ اسطرف روانہ ہوئے۔ انھوں نے شرقی گوشہ پر پہنچکر دو لاشیں پڑی ہوئی دیکھیں۔ ان لاشوں کو دیکھکر ان سب کو بڑا غصہ آیا۔ انھوں نے فوراً تلواریں نکالیں اور دونوں لاشوں کا مثلہ کیا یعنی انکی ناک کان کاٹ ڈالے۔ آنکھیں نکال لیں اور ہر عضو کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

عربوں میں دستور تھا کہ جس سے جس قدر زیادہ خوش ہوتے اسکی لاش کو اسی قدر ٹکڑے ٹکڑے کر دینے مثلہ کرنے اور لاشوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے کچلنے کا عام رواج تھا۔

عدی نے حکم دیا کہ دونوں کی لاشوں کے ٹکڑے ٹکڑے نخلستان سے باہر پھینک دیے جائیں۔ چنانچہ کئی آدمیوں نے انکے ٹکڑے وہاں سے دور لیجا کر ایک ریت کے ٹیلہ پر پھینک دیئے۔

اب وہ اپنی مردہ عورتوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ نخلستان سے باہر گڑھے کھود کر لاشیں دفنا دی گئیں۔ جو عورتیں زخمی ہوئی تھیں وہ اب اچھی طرح ہوش میں آ گئی تھیں۔ بلکہ اٹھکر چلنے پھرنے لگی تھیں۔ یہ چاروں ان عورتوں کی قبر پر پہنچیں جنھیں دفن کر دیا گیا تھا۔

انھوں نے کپڑے چاک کیے سر کے بال کھول کر بکھیر لیے اور سر و سینہ پیٹ پیٹ کر بین کرنے اور رونے لگیں۔ اس زمانہ میں عرب میں مردوں کا ماتم اسی طرح سے کیا جاتا تھا۔ اسلام نے اس طرح سے ماتم کرنے کی ممانعت کر دی ہے۔

رات کو عورتوں نے کھانا پکایا۔ اگرچہ یہ تمام لوگ پریشان اور مغموم تھے۔ کسی نے بھی اچھی طرح کھانا نہ کھایا۔ مگر چونکہ انسان اناج کا کیڑا ہے لہذا قوت لایموت کے لحاظ سے کچھ نہ کچھ کھانا ہی پڑتا ہے۔ انھوں نے بھی تھوڑا بہت کھایا اور رات کو سو رہے۔ صبح جب آفتاب عالم تاب اپنی تمام جلوہ آرائیوں کے ساتھ افق مشرق سے سر نکالکر نمودار ہوا۔ تو عدی نے تمام لوگوں کو بلا کر کہا۔

بنی بکر کے جگر گوشو! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ قبیلۂ بنی قحطان کی طاقت آجکل اسقدر بڑھ گئی ہے کہ ہم انکا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر ہم نے اپنی مقتول عورتوں کا انتقام نہ لیا۔ تو وہ بھوت بنکر ہم سے لپٹیں گی۔ ستائینگی۔ اِسکے علاوہ تمام قبائل میں ہماری بدنامی اور بعزتی ہوگی۔ اسلئے انتقام لینا ضروری ہے۔ سوچو کس قبیلہ سے اعانت کی درخواست کی جائے۔

حارثہ نے کہا۔ طائف چلیئے اور خاندانِ عمیر سے اعانت کی درخواست کیجئے۔

عدی نے کہا۔ خاندانِ عمیر اگرچہ رئیس القبائل ہے مگر اس قبیلہ کے سردار عبد یالیل مسعود اور حبیب ہیں۔ تینوں مکار اور اوباش ہیں کبھی ہماری امداد نہ کریں گے۔

حارثہ نے کہا۔ پھر آپ کا گمان کون سے قبیلہ کی طرف ہے؟

عدی نے کہا۔ ہمیں چاہیئے کہ قبیلۂ خزاعنہ سے اعانت کی درخواست کرنا چاہیئے۔ یقین کامل ہے کہ وہ ہماری امداد کریں گے!

حارثہ۔ مناسب ہے۔ وہیں چلیئے!

سب نے تیاری کی اور جب آفتاب کسی قدر بلند ہوا تو یہ مصیبت زدہ

لوگ حمرا کی طرف روانہ ہو گئے۔

انیسواں باب

ہجرت حبش

کفار مکہ بگڑ کر چلے گئے تھے۔ انھوں نے جاتے ہی تمام لوگوں کو جو انکے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کہدیا کہ محمد صلح پہ تیار نہیں ہم نے ابوطالب کے سامنے تمام صحبت کرلی۔ ابوطالب سے کہہ آئے ہیں کہ محمد کی رفاقت چھوڑ دیں ورنہ انکے خلاف بھی کارروائیاں شروع کردیجائینگی۔ ہم انھیں غور کرنے کیلئے کل تک کی مہلت دے آئے ہیں اگر انھوں نے اپنے بھتیجے کو سمجھا دیا اور وہ ہمارے معبودوں کی مخالفت سے باز آگیا تو خیر ورنہ پھر محمد پر۔ تمام مسلمانوں پر محمد کے ممد اور معاونین پر اسقدر سختیاں کرو کہ ان پر عرصہ زندگی تنگ ہوجائے۔ اعلان کردو کہ محمد خانہ کعبہ میں نہ گھسنے پائے۔ اوباش لوگوں سے کہدو کہ جس جگہ محمد جائیں بازار میں۔ گذرگاہ میں۔ پہاڑ پر کسی مجمع میں الغرض جہاں وہ جائیں انکے پیچھے جائیں کسی سے انھیں باتیں نہ کرنے دیں۔ شور مچائیں مسلمانوں اور اسلام کو برا کہیں مسلمانوں کے خدا کو برا کہیں (نعوذ باللہ) محمد کو برا کہیں۔ لڑکوں کو آمادہ کرو کہ وہ ہر مسلمان پر۔ محمد پر مسلمانوں کے مددگاروں پر خاک پھینکیں۔ اینٹیں ماریں پتھر برسائیں اور انھیں اسقدر تنگ کریں کہ وہ نئے مذہب کو چھوڑ دیں اور ہمارے معبودوں کے پرستار بنجائیں۔ تمام لوگوں نے

اس بات کو پسند کیا سب نے ان باتوں کے کرنیکا اقرار کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ مجلس برخاست ہوگئی۔ لوگ اٹھ اٹھکر اپنے اپنے گھروں کیطرف چلے گئے۔ وہ دن اور اسکی رات گذر کر جب دوسرا دن ہوا اور ابوطالب کا کوئی جواب نہ آیا۔ تو سب نے سمجھ لیا کہ نہ محمدؐ اسلام کی تبلیغ سے باز آئے نہ ابوطالب نے انکی رفاقت چھوڑی۔

اس خیال سے کفار مکہ کو بڑا جوش آیا۔ ابوجہل اور ابولہب نے پھر لوگوں کو جمع کیا اور ان سے کہہ دیا کہ محمدؐ اسلام کی تبلیغ سے دستکش نہیں ہوئے اور ابوطالب نے انکی رفاقت نہیں چھوڑی اب تم طے شدہ قرارداد پر عمل کرو!

یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی قوم۔ کسی ملک۔ کسی شہر کے معزز متمول۔ بڑے آدمی کسی کام کے کرنے کی شہہ دیدیتے ہیں۔ تو ادنیٰ طبقہ کے آدمی بڑی خوشی بڑی تندہی۔ بڑے شوق سے کام کے کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں چنانچہ مکہ کے اوباش بدقماش۔ آوارہ اور ناکارہ لوگ مسلمانوں کے ستانے۔ آنحضور صلعم کے ساتھ گستاخی سے پیش آنے پر بدل وجان تیار ہو گئے۔ انھوں نے بہت سی پارٹیاں بنالیں۔ بہت سے آوارہ۔ منہ پھٹ۔ زبان دراز لڑکوں کو اپنے ساتھ لے لیا اور اُسی روز سے مسلمانوں کے درپئے آزار ہو گئے۔

اتفاق سے زبیرؓ بن العوام بازار میں چلے گئے۔ اوباش لوگ تو تاک میں ہی تھے۔ فوراً اُن کے پیچھے لگ گئے۔ لڑکے بھی ساتھ ہو لئے۔ تالیاں بجانے خاک اڑانے اور سنگریزے مارنے لگے حضرت زبیرؓ جوان تھے آپکو غصہ آگیا۔ آپ نے لڑکوں کو ڈوپٹا۔ ڈپٹنے کی دیر تھی کہ جو مادہ پک رہا تھا وہ پھوٹ نکلا۔ آوارہ اور بدمعاش لوگوں کا جمگھٹا آلگا۔ سب نے حضرت زبیرؓ کو برا بھلا کہنا اور

گالیاں دینا شروع کر دیں ۔

حضرت زبیرؓ مالدار تھے ۔ معزز تھے ۔ قریش میں انکے خاندان کی بڑی قدر و منزلت تھی ۔ انھیں بڑا ناگوار گذرا ۔ لیکن باوجود نوجوان ہونے کے معاملہ فہم بھی پرلے درجہ کے تھے ۔ فوراً تاڑ گئے کہ کفار نے مل کر مسلمانوں کو ستانے اور ذلیل کرنے کی تجویز کی ہے ۔ آپ چپ چاپ واپس چلے آئے ۔

لڑکے اور بدمعاش لوگ اُنکے گھر تک انھیں گالیاں دیتے اور ان پر خاک ڈالتے پتھر مارتے آئے جب وہ گھر میں داخل ہو گئے تب لوٹ گئے ۔

اُس روز کوئی اور مسلمان بازار یا عام گذرگاہ میں نہ دیکھا گیا ۔ البتہ دوسرے روز مسلمان خرید و فروخت کے لئے اپنے گھروں سے باہر نکلے ۔ بدمعاشوں نے ان کا تعاقب کیا ۔ انھیں گالیاں دیں ان پر خاک پھینکی ۔ ان کے سنگریزے مارے اور کپڑے وغیرہ کھینچ کھینچ کر پھاڑ ڈالے ۔

مسلمانوں کو بُرا بھی محسوس ہوا غصّہ بھی آیا ۔ لیکن وہ کمزور تھے ۔ بے یار تھے ۔ جانتے تھے کہ اگر ذرا بھی بولے تو مار کھائینگے قتل کر ڈالے جائینگے مجبوراً ضبط کر کے خاموش رہ کر واپس لوٹ آئے ۔

بدمعاش اور آوارہ گرد انھیں ستاتے ۔ انھیں گالیاں دیتے ان کے گھروں کے دروازوں تک آئے ۔ دروازوں پر کھڑے ہو کر تالیاں بجانے بُرا بھلا کہنے اور گالیاں دینے لگے ۔

صرف اسی پر کفایت نہ کی گئی تھی ۔ بلکہ بڑے بڑے پتھر راستوں سے اٹھا اُٹھا کر گھروں کے اندر پھینکنے لگے ۔ غلاظت ڈالنے لگے ۔ مسلمان سخت

پریشان ہوئے۔ ان کا گھروں سے باہر نکلنا بند ہو گیا!

آنحضور صلعم حرم شریف میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ آپ مکان سے نکلکر حرم شریف کی طرف چلے۔ آوارہ لڑکوں۔ بدمعاش نوجوانوں نے آپ کو دیکھ لیا۔ غول کے غول آپ کے پیچھے چلے۔ مگر حضور کے رعب و جلالت کی وجہ سے کسی کو آپکے ساتھ گستاخی کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

جب آپ در حرم شریف پہنچے۔ تو ابو جہل۔ ابولہب۔ ابوسفیان عتبہ ولید اور چند دیگر سربرآوردہ لوگوں کو در حرم شریف پر کھڑے ہوئے پایا۔ جب آپ نے حرم شریف کے دروازہ میں داخل ہونا چاہا۔ تو ابوسفیان نے روک دیا۔ ابو جہل نے کہا۔

محمد آج سے در حرم شریف تمہارے لئے بند کر دیا گیا ہے۔ تم اس قابل نہیں ہو کہ ہمارے معبودوں کی زیارت کرو۔

آنحضور نے فرمایا۔ ابو جہل! تو دن بدن گمراہی اور شرک میں شریک ہوتا جاتا ہے۔ میں خانہ کعبہ میں تمہارے معبودانِ باطل کی زیارت کرنے نہیں جاتا۔ بلکہ اسلئے جاتا ہوں کہ وہ مقام محمود ہے۔ ہمارے اور تمہارے دادا حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا بنایا ہوا مکان ہے۔ خانۂ خدا ہے۔ خدا کی نماز پڑھنے جاتا ہوں۔ کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کو کعبہ میں داخل ہونے سے روکے۔

ابو جہل ہنسا۔ اس نے کہا۔ ان لوگوں کو دیکھو یہ سب قریش اور مکہ کے معزز افراد ہیں۔ ان سب نے بالاتفاق رائے یہ طے کر دیا ہے کہ کوئی مسلمان خانہ

کعبہ میں داخل نہ ہونے دیا جائیگا۔ حرم شریف کا دروازہ ہمیشہ کے لئے تمام مسلمانوں پر بند کر دیا گیا ہے اب کوئی مسلمان داخل نہ ہو سکیگا۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ اِسے خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کون خانہ کعبہ میں داخل ہو سکے گا۔ اور کون نہیں! ابوجہل! مسلمانوں پر تشدد کر کے خدا کے قہر کو بیدار نہ کرو۔

ابوسفیان قہقہہ لگا کر ہنسا۔ اُس نے استہزاد کے طور پہ کہا جب خدا ہے ہی نہیں تو اس کا قہر کیسا۔ جاؤ تم اپنے خدا سے کہو کہ وہ ہم پر قہر نازل کرے۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ افسوس کہ تم خدا کا قہر مانگتے ہو۔ جلدی کرتے ہو۔ یہ نہیں سمجھتے کہ جب خدا کا قہر نازل ہوگا۔ تو ایک لمحہ کی مہلت نہ ملے گی اور پھر تمکو کفِ افسوس ملنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہیگا۔

ابوجہل نے مذاق اُڑاتے ہوئے کہا۔ اطمینان رکھو۔ اگر خدا کا قہر ہم پر نازل ہوگا۔ تو ہم تمہارے پاس اعانت ورحم کی درخواست لیکر نہ جائیں گے۔

آنحضور نے فرمایا۔ تو کیا تم مجھے خانہ کعبہ میں داخل نہ ہونے دو گے؟

ابوجہل نے ترشروئی کے انداز سے کہا۔ ہرگز نہیں۔ اسوقت تک نہیں جب تک ایک بھی بتوں کا پرستار مکہ میں موجود ہے۔

آنحضور صلعم نے فرمایا۔ اگر میں تمہارے روکنے سے نہ رکوں؟

ابوسفیان نے تلوار میان سے کھینچتے ہوئے کہا۔ معبودوں کی قسم یہ تلوار تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گی۔

آنحضور صلعم نے دروازہ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ اچھا تم تلوار چلاؤ خدا

بہری امداد و استعانت فرمائے گا۔

ابوجہل کو خدشہ ہوا کہ حضور صلعم ضرور خانہ کعبہ میں داخل ہو جائینگے۔ اس نے اس مجمع کی طرف دیکھا۔ جو سامنے کھڑا تھا اور کچھ اشارہ کیا۔

فوراً بدمعاش بڑھ آئے۔ انھوں نے آنحضور کو برا بھلا کہنا اور پیچھے ڈھکیلنا شروع کر دیا۔ چار و ناچار آنحضور صلعم کو واپس لوٹنا پڑا۔ اُس روز سے آپ کا آپ کے جاں نثار صحابیوں کا۔ خدا کے فرمانبردار بندوں کا خانہ کعبہ میں داخل ہونا بند کر دیا گیا۔

اب کفارِ مکہ نے تمام مسلمانوں پر اسقدر تشدد و جبر کرنا شروع کیا کہ انکا اپنے گھروں سے باہر نکلنا۔ کاروبار کرنا۔ ضروریات زندگی اشیاء کی خرید و فروخت کرنا دشوار ہو گیا۔ جب کھانے وغیرہ کا سامان ہی نہ آتا تو کھانا کہاں سے ملتا۔ لوگ بھوکے رہنے لگے۔ آپ کو اس سے سخت تشویش ہوئی۔ لہٰذا آنحضور نے غور و فکر کرنا شروع کیا کہ اب کیا کیا جائے۔

ادھر پُرجوش مسلمان کفار کا مقابلہ کرنیکے لئے آنحضور صلعم سے اجازت طلب کرنے لگے۔ آنحضور صلعم نے فرمایا کہ میں جنگ کی اجازت بغیر خدا کے حکم کے نہیں دے سکتا۔ صبر و شکر کر کے سختیاں برداشت کرو۔ ابھی خدا تعالےٰ ہماری آزمائش کر رہے ہیں۔ ہم کو اسکی آزمائش میں پورا اترنا چاہیئے۔

لوگ خاموش ہو گئے۔ حیرت ہوتی ہے کہ کیسے باخلوص اور خدا کے نام پر مٹنے والے لوگ تھے۔ سختیاں سہتے تھے۔ ظلم و ستم برداشت کرتے تھے۔ غصہ آتا تھا غصہ کو ضبط کرتے تھے۔ جو خدا اور خدا کے رسول کا حکم ہوتا تھا اس

کی تعمیل کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ایک صحابی تھے۔ آپ نہایت جوشیلے تھے۔ آپ نے جب سُنا کہ مسلمانوں کو حرم محترم میں قرآن شریف کی تلاوت باواز بلند کرنے اور نماز پڑھنے سے منع کر دیا گیا ہے تو آپ کو جوش آگیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں حرم محترم میں جاکر خدا کا کلام پڑھوں گا۔

مسلمانوں نے سمجھایا کہ کفار برسر عداوت ہیں۔ وہ مسلمانوں کو قتل کرنے کی فکر کر رہے ہیں۔ تمہارا حرم محترم میں جاکر قرآن شریف بلند آواز سے پڑھنا وہ گوارہ کر سکیں گے یقیناً مار ڈالیں گے اسلئے ابھی برائے چندے خاموش رہو۔ جب خدا کا حکم ہو گا۔ تم ہی کیا ہم سب خانہ کعبہ میں جاکر باواز بلند قرآن شریف پڑھینگے۔

حضرت عبداللہ نے کہا۔ میرا دل نہیں مانتا کہ کفار مکہ کعبہ میں جاکر بتوں کی پرستش کریں اور ہم وہاں قرآن شریف بھی نہ پڑھ سکیں۔ پرواہ نہیں کہ اگر وہ مجھے مار ڈالیں میں ضرور آج ہی وہاں جاکر قرآن شریف پڑھونگا۔

مسلمانوں کو بڑا فکر ہوا۔ جانتے تھے کہ جس وقت حضرت عبداللہ قرآن کریم کی تلاوت کریں گے۔ فوراً ہی کفار اُن کو قتل کر ڈالیں گے۔

مسلمانوں میں اسلام نے محبت پیدا کر دی تھی۔ سب نے سمجھایا۔ عبداللہ چپ ہو گئے۔ مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ وہ اپنے ارادے سے باز آگئے ہیں اسلئے کسی نے انکی نگرانی نہ کی۔ مگر عبداللہ موقعہ کی تاک میں رہے اور موقعہ پاتے ہی سیدھے حرم شریف پہنچے۔ کفار نے ان کو روکا۔ مگر باوجود اس رکاوٹ کے بھی مقام ابراہیم پہ جاکھڑے ہوئے اور آپ نہایت خوش الحانی سے سورۃ الرحمٰن

کی تلاوت کرنے لگے۔ آپ نے پڑھا! الرحمٰن ۔ علم القرآن ۔ خلق الانسان
علمہ البیان ۔ الشمس والقمر بحسبان ۔ النجم والشجر یسجدان ۔
یعنی رحمان نے سکھایا یہ قرآن ۔ انسان کو پیدا کیا ۔ اس نے بولنا سکھایا ۔
چاند اور سورج (اسکے حکم سے) گردش میں ہیں اور ستارے و درخت اسکو سجدہ
کرتے ہیں ۔

کفار مکہ نے جب الرحمٰن کا نام سنا تو سخت چین بجبیں ہوئے اور جب یہ سنا
کہ ستارے اور درخت اسی کو سجدہ کرتے ہیں ۔ اُسے وہ اپنے معبودوں کی توہین
سمجھے ۔ انکے خیال میں ان کے معبود ہی اس قابل تھے ۔

وہ بگڑ گئے ۔ سب کے سب حضرت عبداللہ بن مسعود کے اوپر برس پڑے
اور گھونسے لات اور منہ پر طمانچے مارنے لگے ۔ لیکن حضرت عبداللہ نے انکے
تشدد کا خیال بھی نہ کیا پٹتے رہے ۔ ہاتھ چھوڑے بحس وحرکت کھڑے مار
کھاتے رہے ۔ مگر زبان سے خدا کا کلام پڑھتے رہے

کفار کو اس پر بڑا طیش آیا ۔ اُنھوں نے آپ کا منہ بھینچ دیا ۔ آپ کے رخسارو
پر اسقدر گھونسے لگائے کہ آپ کا تمام چہرہ لہولہان ہو گیا ۔

حضرت عبداللہ بڑے جوشیلے تھے ۔ ایام جاہلیت یعنی جب تک وہ مسلمان نہ
ہوئے تھے ۔ اس قدر جوش تھا کہ کسی کی بات بھی نہ سن سکتے تھے ۔ بات کا
جواب نیزہ بازی کی انی یا تلوار کی دھار سے دیتے تھے لیکن جب سے
مسلمان ہوئے تھے صلاحیت آگئی تھی ۔

آنحضور صلعم نے منع کر دیا تھا کہ تم کسی پر حملہ نہ کرنا ۔ بلکہ جو حملے تم پر ہوں

انھیں صبر اور خاموشی سے برداشت کرنا پڑتا۔ مار کھانا۔ قتل ہو جانا۔ مگر ہاتھ کسی پر نہ اٹھانا۔

اس تعلیم کا۔ خدا کے رسُول کے حکم کا یہ پاس تھا کہ پٹتے تھے۔ اور زخمی ہو رہے تھے۔ مگر ہاتھ اُٹھانا تو کیا جنبش بھی نہ کرتے تھے۔

یہ تھا اصل ستیہ گرہ جو آج سے تیرہ سو سال پہلے کفار مکہ کے سامنے مسلمانوں نے کیا تھا۔ دنیا میں عدم تشدد کی یہ پہلی مثال تھی۔

حضرت عبداللہ رض جب سورۂ الرحمٰن ختم کر چکے۔ تب لوٹے! مگر کس شان سے کہ آپ کے تمام کپڑے کفار نے پھاڑ ڈالے تھے۔ چہرہ لہولہان کر دیا گیا تھا۔ آپ نے اپنے گھر پہنچکر کپڑے بدلے منہ دھویا۔ زخموں پر مرہم لگایا اور چپ چاپ بیٹھ گئے۔

کفار قریش نے لوگوں کو یہ بھی کہہ دیا تھا کہ جو شخص بلند آواز سے قرآن شریف پڑھے اُسے مارو۔ اگر کوئی اپنے گھر پڑھتا ہو تو اس کے گھر میں گھس جاؤ اور اُسے اسوقت تک مارو جب تک کہ وہ قرآن شریف کا پڑھنا بند نہ کردے۔

کافروں نے اس پر سختی سے عمل کرنا شروع کر دیا تھا وہ مسلمانوں کے گھروں کے پاس اس تاک میں کھڑے ہو جاتے تھے کہ جب وہ اونچی آواز سے قرآن شریف پڑھیں تو فوراً ان کے گھروں میں گھسکر انھیں ماریں اور لوٹ لیں۔

حضرت ابوبکر رؤسائے قریش میں سے تھے بڑے متمول تھے جب وہ مسلمان ہوئے تو انکے پاس چالیس ہزار درہم نقد تھے۔ بہت سے خادم غلام اور کنیزیں

تھیں۔ لیکن اشرارِ کفار کے خوف سے وہ بھی قرآن مجید بآوازِ بلند نہ پڑھنے پاتے
اس طرح سے مسلمانوں کا مال۔ انکی آبرو۔ انکی جان ہر وقت خطرہ میں تھی۔
اب صحیح معنوں میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا تھا۔ بھوکے پیاسے
اپنے گھروں میں چھپے بیٹھے رہتے تھے۔

آنحضور صلعم نے یہ کیفیت دیکھکر لوگوں کو حبش میں ہجرت کرنے کا حکم دیا
مسلمان اس حکم سے بڑے خوش ہوئے۔ اکثر قریش کے قبائل حبش میں تجارت
کرنیکی غرض سے جاتے تھے۔ وہاں کے رسم و رواج سے بخوبی واقف تھے۔

اس زمانے میں حبش کا بادشاہ عیسائی تھا۔ اسکا نام صحمہ[1] تھا عرب اُسے
نجاشی کہتے تھے۔ دراصل حبشی زبان میں بادشاہ کو "نجوس" کہتے ہیں۔ عربوں نے
اس کی تعریب کر کے "نجاسی" بنا لیا تھا۔

یہ بادشاہ تاریخ میں اسی نام سے مشہور ہو گیا۔ آج بھی اُسے "نجاسی" ہی
کہا جاتا ہے۔ چونکہ مسلمان جانتے تھے کہ کفارِ مکہ انھیں آسانی سے ہجرت نہ کرنے
دینگے۔ ضرور روکیں گے اسلئے انھوں نے چپکے چپکے تیاریاں شروع کیں۔ جب
تیاری مکمل ہو گئی تو ایک روز رات کو کفار جبکہ خوابِ خرگوش میں مبتلا تھے
چپکے سے مکہ سے نکلے اور جدہ کی طرف روانہ ہوئے۔

ماہ رجب ۵ نبوی میں یہ مختصر قافلہ گھر بار۔ وطن۔ عزیزوں اور احباب
کو چھوڑ کر روانہ ہوا۔ اس مختصر قافلہ میں صرف بارہ مرد اور چودہ عورتیں تھیں۔
مردوں میں حضرت عثمانؓ بن عفان۔ حضرت زبیرؓ بن العوام۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت
ابو حذیفہؓ بن عتبہ (یہ ابو حذیفہ اس عتبہ کے بیٹے تھے جو قریش کیطرف سے آنحضور صلعم

[1] از بخاری۔ تاریخ ابن خلدون میں اسکا نام صحیح لکھا ہے۔

کی خدمت میں سفیر بنکر گئے تھے۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف حضرت ابو سلمیٰ مخزومی۔ حضرت عثمانؓ بن مظعونؓ جمحی۔ حضرت عامرؓ بن ربیعہ۔ حضرت ابوہرہؓ بن اہم۔ حضرت طالبؓ بن عمرو۔ حضرت سہیلؓ بن بیضاء تھے۔ عورتوں میں حضرت رقیہ آنحضور صلعم کی صاحبزادی حضرت عثمانؓ بن عفان کی زوجہ محترمہ حضرت سہلہ زوجہ حضرت ابوحذیفہ۔ حضرت ام سلمہؓ زوجہ حضرت ابوسلمہؓ۔ حضرت لیلیٰ زوجہ حضرت عامرؓ بن ربیعہ تھیں۔ یہ مہاجرین کا پہلا قافلہ تھا جو ہجرت کر کے حبش کیجانب روانہ ہوا۔

ناظرین کرام اس سے آئندہ کے واقعات یعنی اس قافلہ کی ہجرت حضرت حمزہؓ کا آنحضور صلعم پر ایمان لانا۔ حضرت عمر بن الخطاب کو کفار مکہ کے مشورہ سے سرور کائنات فخر موجودات کے قتل پر مقرر کرنا۔ کفار مکہ کا حضرت عمرؓ کا انتظار کرنا مگر حضرت عمرؓ کا آنحضور صلعم کے اخلاق حسنہ سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہونا۔ کفار مکہ کی حیرانگی۔ آنحضور صلعم کا معراج شریف اور کفار مکہ کے ظلم و ستم کی انتہا وغیرہ وغیرہ واقعات کے لئے اسی سلسلہ کا دوسرا حصہ "آفتاب عالم" حصہ دوم منگوا کر ملاحظہ فرمادیں۔

قیمت علاوہ محصول دو روپے

منگوانیکا پتہ: جہانگیر بک ڈپو بیرون شیرانوالہ دروازہ جہانگیر منزل لاہور

کامل جدید ریڈیو گائیڈ

مُصنفہ محمد لطیف صاحب دُرّانی

ریڈیو وائرلس اور ٹیلیگراف وغیرہ کے خواب یورپ کے سائنسدان اٹھارھویں صدی کی ابتدا ہی سے دیکھ رہے تھے مگر اسکی تعبیر حال ہی میں پوری ہوئی ہے۔ یورپ میں آجکل ٹیلیویژن کا کام عام طور پر استعمال ہو رہا ہے مگر ہمارے ہندوستان میں کوئی اسکا نام بھی نہیں جانتا۔ ہم نے نہایت محنت و صرف زر کثیر ایک ایسی کتاب تیار کی ہے جس میں ریڈیو وائرلس اور ٹیلیویژن کے متعلق تمام باتیں نہایت عمدہ پیرائے میں سلجھی ہوئی زبان میں بیان کر دی ہیں۔ انٹینا یعنی ایریل کی ضرورت اسے مختلف صورتوں میں فٹ کرنا ریڈیو کو سیٹ کی مرمت۔ اسکی گڑگڑاہٹ اور خامیوں پر نہایت واضح تصاویر دیکر اسکی تشریح کی ہے۔ اے سی۔ ڈی سی کرنٹ کے علاوہ بیٹری سسٹم۔ ویوانتھ۔ شارٹ ویو۔ میڈیم ویو۔ لانگ ویو اور برقی لہروں۔ (وہ لہریں جو ریڈیو سے متعلق ہوں) کی حقیقت کو خوب واضح کیا ہے ہمارا دعویٰ ہے کہ اس کتاب کے پڑھ لینے کے بعد کسی صاحب کو اپنے ریڈیو سیٹ کے لئے کسی سروس سٹیشن میں جاکر امداد یا مشورہ کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ اس میں ٹیلیویژن پر بھی ایک لمبی بحث کی گئی ہے اور اس کی حقیقت کو بے نقاب کیا ہے۔ یہی وجہ ہے شمالی ہند کے سب سے بڑے کارخانہ ریڈیو ساؤنڈ سروس نکلسن روڈ لاہور کے منتظمان نے اسے بیحد پسند فرمایا ہے۔ قیمت ۴ روپے۔

ملنے کا پتہ: جہانگیر بک ڈپو بیرون شیرانوالہ دروازہ جہانگیر منزل لاہور

کامل جدید موٹر گائیڈ

مصنفہ جناب آغا ایم ایس صاحب ظفر

ہزاروں تعلیمیافتہ ہندوستانی نوجوانوں کی بیکاری اور اُردو زبان کی ایسی صنعتی کتابوں سے محرومی کو محسوس کرتے ہوئے ہم نے محنت شاقہ اور شب و روز کی اَن تھک کوششوں سے ایک ایسی کتاب تیار کی ہے جسکے متعلق شیخ حسام الدین صاحب بی۔ اے صدر آل انڈیا موٹر یونین کا قول ہے اُردو زبان میں ابتک ایسی کتاب نہ تھی۔ لہٰذا اس اضافہ نے اُردو زبان کو یورپین زبانوں کی صف میں کھڑا کر دیا ہے اس کتاب میں بیس کے قریب بلاک اور ڈیڑھ سو کے قریب تصویریں ہیں جو سنہ ۳۹ء سے سنہ ۴۰ء میں انگلینڈ۔ امریکہ۔ فرانس۔ جرمنی اور جاپان کے ممتاز کارخانوں سے براہ راست حاصل کی گئی ہیں۔ اس میں لکیر کے فقیر بننے کی کوشش نہیں کی گئی۔ بلکہ بیسویں صدی کی تمام طلسماتی مشینری کو نہایت فیاضانہ طریقہ پر بے نقاب کیا گیا ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد اور کسی ڈرائیور کو مستری اور ناواقف کو ڈرائیور بننے کے لئے کسی اور کتاب کی حاجت نہ رہیگی کتاب کیا ہے سمندر کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے کتابت و طباعت عمدہ۔ و نیز کاغذ حجم و تقطیع ۵۰۰ صفحات $\frac{30 \times 20}{16}$ باوجود ان تمام اوصاف کے قیمت مجلد کتاب صرف تین روپے (۳ روپے)

ملنے کا پتہ: جہانگیر بک ڈپو نولکھا بازار لاہور (پنجاب)

گنجینہ حسن

(خوبصورتی پیدا کرنیوالے بیش بہا نسخوں کا مجموعہ) جوانی کے عالم میں جہاں حسن اپنے انتہائی عروج پر ہوتا ہے۔ وہاں حسن انسانی کو بدنما کرنے کیلئے کیل مہاسے اور چھائیاں بھی اسی عالم میں نمودار ہوتی ہیں اس کتاب میں چہرہ کی خوبصورتی قائم رکھنے۔ جلد کو ملائم اور خشکی دور کرکے بالوں کو سیاہ کرنے دھونے اور انکی چکناہٹ دور کرنے دانتوں کو سفید چمکدار بنانے اور جملہ امراض سے بچانے کیلئے مجرب نسخے۔ مقوی النظر کے آزمودہ سرمے نیز جلد کو ملائم اور سیاہی دور کرکے جسم اور چہرے کی رنگت کو صاف کرنے کے مجرب نسخے۔ نیز ورزش کے نہایت آسان طریقے جن پر عمل کرنے سے عورتیں بھی اپنے جسم کو مضبوط بنا سکتی ہیں علاوہ ازیں غازہ کریم اور صابن وغیرہ بنانے کے نسخے قیمت آٹھ آنے۔

کھانسی کی مجرّب گولیاں

کھانسی ایک نہایت خطرناک مرض ہے اکثر کھانستے کھانستے سینہ اور پسلیوں میں درد شروع ہو جاتا ہے جس سے سینہ اور پھیپھڑے کمزور ہو جاتے ہیں زیادہ سخت حالتوں میں کھانسی مرض دق تپ دق یعنی خیمہ بنجاتی ہے۔ کالی کھانسی کیحالت میں بچوں کا دم رک جاتا ہے۔ آنکھوں سے پانی بہنے لگ جاتا ہے۔ اکثر اوقات قے ہو جاتی ہے غذا ہضم نہیں ہوتی۔ ان تکالیف کو دور کرنے کیلئے ہماری تیار کردہ کھانسی کی مجرب گولیاں نہایت مفید ثابت ہوئی ہیں جو بیحد مقبول عام ہو چکی ہیں انکے استعمال سے سینکڑوں مایوس مریض شفایاب ہو چکے ہیں ان کا استعمال و پرہیز وغیرہ یہ ہے کہ خشک کھانسی کے لئے ایک گولی ہمراہ دودھ صبح اور رات کو ایک ہمراہ دودھ کھانا کھانے کے بعد سوتے وقت کھائیں اور تر کھانسی کیلئے پانی کیساتھ کھائیں بچوں کیلئے نصف گولی اور بڑوں کیلئے پوری گولی ترشی اور ہنسیا کے تیل سے پرہیز قیمت ۴۰ گولی آٹھ آنے۔

قابل مصنفوں کے تاریخی جاسوسی اخلاقی عشقیہ دلچسپ نہایت دلکش ناول

آفتاب عالم
ایران کی حسینہ
انقلاب سمرنا
اسیر محبت
باغی سپاہی
انقلاب مصر
بہرام کی حسینہ زندیاں
بہادر ڈاکو
بہادر عرب
پہلی صلیبی جنگ
ترکی امیر
ترکی خاتون
ترکی شمشیر
ترکی فرشتے
حسین شہزادی
جانباز حسینہ
جنگ بلقان
خونی شمشیر
مرد میدان
خوفناک ڈاکو
خوفناک جادوگر
دغاباز بیوی
شہزادی عباسہ

حور بغداد
شیر اسلام
شیر الگورہ
شکستہ تلا
طلسمی شیشہ
طلسمی سایہ
طلسمی ہار
سلطان سبکتگین
سنگدل ملکہ
طارق
ہاشمی دوشیزہ
حمیرا
معرکہ صلیب
معرکہ روم دیونان
معشوقہ حلب
محمد قاسم
مشرق کی حور
عرب کا چاند
صلیبی جہاد
مصر کا چاند
نیلم کی چوری
محمود و وزرا
مہذب ڈاکو

طوفان زندگی
نتیجہ عشق

پختہ ناول

آفتاب عالم دوم
آفتاب عالم سوم
آفتاب عالم چہارم
جنگ ایران
فتح ایران
معشوقہ حلب دوم
حور عرب
بہادر دلہن
بہادر عرب دوم
شہزادی عباسہ دوم
آستانہ کی حور
سعید و خلیانہ
جنگ صلیب و ہلال
فتح یرموک
گنجینہ حسن
گنجینہ
موٹر سائیکل گائیڈ
ریڈیو گائیڈ
موٹر گائیڈ
بجلی کی کتاب

حمیرا دوم
ہاشمی دوشیزہ دوم
طارق دوم
پہلی صلیبی جنگ دوم
صلیبی جہاد دوم
معرکہ روم دیونان دوم
معرکہ صلیب دوم
محمد قاسم دوم
انقلاب مصر دوم
ترکی امیر دوم
سنگدل ملکہ دوم
سلطان سبکتگین دوم
شہزادی عباسہ
فتح انطاکیہ کامل
آرمینیا کا چاند
دوشیزہ کابل مکمل
معشوقہ ہند
قیس ولبنیٰ
ایام عرب مکمل
مفتوح خارج
یوسف و نجمہ
مقدس نازنین
جویائے حق

ملنے کا پتہ:- جہانگیر بک ڈپو بیرون شیرانوالہ دروازہ جہانگیر منزل لاہور